از دفتر امامیہ مشن حسین آباد۔ لکھنؤ

مطبوعہ سرفراز قومی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

قیمت فی جلد پانچ آنہ

امامیہ مشن لکھنؤ کی دوسری دینی خدمت

اس سے قبل ایک رسالہ موسومہ "قاتلان حسین ؑ کا مذہب" شایع کیا جا چکا ہے جو بحمد اللہ ملک و قوم میں اس درجہ مقبول ہوا کہ ایک ماہ کے اندر اُسکی ایک ہزار جلدیں ختم ہو گئیں اور اب اسی رسالہ کے ساتھ اُسکا دوسرا اڈیشن شایع کیا جا رہا ہے تحریف قرآن کا مسئلہ ایسا ہے جسکی بنیاد پر طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو ئی ہیں ایک طرف آریہ اور عیسائی فرقوں کی طرف سے تمام مسلمانوں کے مقابلہ میں عقیدہ تحریف کو پیش کر کے قرآن کے اعتبار و استناد کو صدمہ پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے اور دوسری طرف سواد اعظم کی جانب سے شیعوں پر طرح طرح کے الزامات عائد ہوتے ہیں اور تیسری طرف وہ افراد جو خود تحقیق کے گرویدہ ہیں وہ اس مسئلہ میں تسکین دہ بیانات کے جویا ہیں۔ لہذا اسکی ضرورت تھی کہ ایک فیصلہ کن مضمون اس موضوع پر شایع کر دیا جائے۔

بحمد اللہ جناب مصنف علام دام ظلہ نے اس ضرورت کو پورا کر کے امامیہ مشن کی ہمت افزائی فرمائی اور اب یہ رسالہ تمام اہل انصاف کے انصاف کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تاکہ وہ کامل اطمینان و سکون کے ساتھ اسکا بغور مطالعہ کر کے صحیح رائے قائم کر سکیں۔

خادم ملت سید ابن حسین عفی عنہ

آنریری سکرٹری امامیہ مشن حسین آباد۔ لکھنؤ
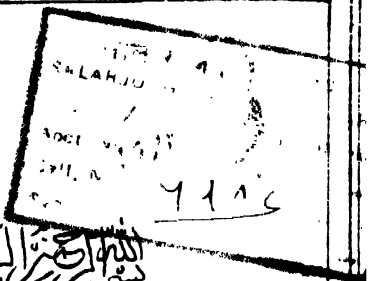
بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی سید المرسلین وآلہ الطاہرین

موجودہ زمانہ مین اسلام پر مخالفین کے حملے ہو رہے ہین اور وہ چارون طرف سے دشمنون مین گھرا ہوا ہے عیسائی مشن جو دنیا کے طول وعرض مین پھیلے ہوئے ہین اور آریہ مشن جو خاص ہندوستان کے ہر بڑے اور چھوٹے مقام پر موجود ہین انکے کارخانہ سے روزانہ نئے نئے اعتراضات ڈھلکر نکلتے ہین جن کا اگر جواب نہ دیا جائے تو کمزور اور بے ثبات عقیدہ کے اشخاص یقیناً انکی زد پر آکر اسلامی عقائد سے ہاتھ دھو بیٹھین گے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس ذات پر ایسے ایسے شرمناک الزامات کے دنیا کو باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے جو حق وصداقت کے لئے سم قاتل کا حکم رکھتے ہین ۔

موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ضرورت اس کی تھی کہ تمام مسلمان ہم آہنگ ہو کر مخالفین کے مقابلہ کے لئے ایک متحد محاذ جنگ پیش کرتے اور اپنے

قوے اور ذرائع کو مجتمع حیثیت سے اسلامی مشترک اصول کی حمایت میں صرف
کرتے ہوئے دشمنانِ اسلام کے حملوں کا دفعیہ کرتے لیکن افسوس ہے کہ بعض افراد
جو خود مسلمانوں کے اندر افتراق و اختلاف کی خلیج کو وسیع کرنا اپنے لئے باعثِ کامیابی
سمجھتے ہیں ہر روز ایسے ایسے مسائل معرضِ بحث میں لانا ضروری سمجھتے ہیں جن سے
خواہ مخواہ اسلامی شیرازہ منتشر اور اتحادِ اسلامی کی دیوار میں رخنہ پیدا ہو۔

کون نہیں جانتا کہ اسلام کے لئے کچھ اصول اساسی ہیں کہ انہی کے اعتقاد
کا مجموعہ اسلام کہا جاتا ہے اور ان میں تمام فرقِ اسلامیہ باوجود اپنے آپس کے
اختلافات کے برابر سے شریک ہیں۔

توحید، رسالت، کتابِ منزل یعنی قرآن مجید اور روزِ قیامت
یعنی معاد، فرقِ اسلامیہ جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں وہ اسی معنی سے ہیں کہ مذکورہ
بالا اشیاء پر وہ ایمان لائے ہوئے ہیں اور اسکے بعد کسی جماعت کو دوسری جماعت
کے مقابلہ میں یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس کے ایمان کا ان میں سے کسی
شے کے متعلق انکار کرے۔

اور پھر جبکہ ایمان ایک اعتقاد امرِ باطنی ہے جسکے ادراک تک حواسِ ظاہریہ کا
دسترس نہیں اور انکار کرنے والا عالم الضمائر و السرائر (رازہائے قلبی اور
اسرار نہانی کا جاننے والا) نہیں ہے اور ایمان رکھنے والا انسان کیسا ہی اپنے ایمان کا
اظہار کرے اور اسکے اقوال و اعمال بھی اسکے عقیدہ کی تائید کرتے ہیں۔

اسکے بعد یہ افتراق انگیزی اور اختلاف ریزی نہین تو کیا ہے کہ کسی جماعت پر اُسکے اعلان و اظہار کے بخلاف یہ الزام عائد کیا جائے کہ تم قرآن پر ایمان نہین رکھتے جسکا قدرتی جواب اُس جماعت کی طرف سے یہ ہی کہ تم خود ایمان نہین رکھتے۔ نتیجہ ظاہر ہی کہ آپس کی لڑائی غیرون کی ہنسائی، فریق ثالث یعنی ایک آریہ یا عیسائی کو یہ رائے قائم کرنے کا حق حاصل ہو گیا کہ ان مین سے کسی کا بھی ایمان قرآن پر مسلم حیثیت نہین رکھتا اور اس طرح خود قرآن کے مسلمہ وقعت و اعتبار مین شبہہ پیدا کرنے کا موقع نکل آیا۔

کیا اسلام کی دوستی اور اُس سے ہمدردی کا تقاضا یہی ہے؟ ہرگز نہین اگر اسلام سے سچی محبت ہو تو لازم یہ ہے کہ اس قسم کے سوالات کو اٹھا کر افتراق کا مظاہرہ نہ ہونے دو۔ بلکہ تمام فرق اسلامیہ کے اس متفقہ عقیدہ کو کہ "قرآن مجید وحی سماوی اور کتاب ربانی منزل من اللہ رسول کا اعجاز ہے اُس مین کوئی شک و شبہہ کی گنجائش نہین اور نہ اس مین ذرہ برابر باطل کا شائبہ ہی اور اس پر ایمان و اعتقاد کلی تمام مسلمانوں کے اسلام کا جزو اعظم ہے" اسی متفقہ متحدہ صورت پر باقی رہنے دو۔

مین نے نہ اس لئے قلم اٹھایا ہے کہ کسی کے ایمان بالقرآن کی نفی کر دون اور نہ اس کو کوئی مفید خدمت اسلام کی سمجھتا ہون بلکہ میرا مقصد یہ ہی کہ مسئلہ تحریف قرآن پر جو اس قسم کے مباحث کا سنگ بنیاد ہی تاریخ و حدیث و روایت کی روشنی

مین انتقادی نظر ڈالتے ہوئے فریقین کے مذہبی روایات اور تاریخی مندرجات
کے رو سے قرآن مجید کے اعتبار و استناد پر ایک مکمل تبصرہ کرون ۔

قرآن مجید کی عظمت

پیغمبر اسلام کی نبوت کا زندہ ثبوت

گذر گئے انبیائے سلف اور مردہ ہوگئین اُنکی نبوتین اسلئے کہ اُنکی بنیاد
ایسے دلائل پر مبنی جو وقتی طور پر انصاف کی شرط سے منکرین کے سر تسلیم کو خم کرانے کی
لئے کافی تھے لیکن اُن مین دوام و استمرار کا جوہر نہ تھا ۔ ان مین اتنا دم نہ تھا کہ وہ
زمانہ کی سیلابی رفتار مین اپنے وجود کو محفوظ رکھہ سکین ۔ وہ ایک خاص وقت
اور جزو زمانہ کے پابند تھے جو اُس وقت کے منقضی ہونے پر خود بھی رخصت
ہوگئے اور اپنے بعد کے لئے صرف افسانہ کی صورت مین اپنا تذکرہ چھوڑ گئے جو دس
بیس برس تک اگر مشاہدہ کرنے والی جماعت کی موجودگی کے باعث تواتر کی حیثیت
رکھنے کی وجہ سے ناقابل انکار بھی تھا تو اس سے زیادہ زمانہ گذرنے کے بعد اور
خصوصًا دوسری تیسری صدی مین تو وہ مشکوک اور مشتبہ حکایات کا مجموعہ ہوگیا
جنھین ناقلین کی کثرت بیونت اور بھول چوک کی وجہ سے پیدا شدہ اختلافات
نے اور زیادہ کمزوری پیدا کرکے اُن کو توہم پرستیون کا کرشمہ سمجھنے کے کافی
وجوہ پیدا کر دیے ۔

مسلمانون کے لئے کہ قرآن مجید مین اگر ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ وغیرہ دیگر انبیاء کی نبوت اور اُن کے بعض معجزات کا تذکرہ نہ موجود ہوتا تو کبھی اُن کو تسلیم کرنے کے وجوہ پائے نہ جاتے اور اسی لئے وہ اشخاص جو اپنی اپنی قوم مین بڑے مرتبون پر فائز کہے جاتے ہین جیسے زردشت اور گشتاسپ اور ہندوستان کے قدیم راہنما انکی نبوت کبھی وہم و احتمال کے دائرہ سے نکلکر اعتقادی حدود مین داخل نہین ہوسکتی اسلئے کہ انکی مقدسانہ زندگی کے متعلق جتنی بھی حیرت انگیز کرامات کی شہرت انکی جماعت کے اندر ہو لیکن وہ کسی غیر جانبدار شخص کو جو اُس جماعت سے تعلق نہ رکھتا ہو انکی طرف جذب کرنے کی صلاحیت نہین رکھتی کیونکہ اُس شہرت مین خوش عقیدگی اور سادہ لوحی اور توہم پرستی کا عنصر بہت حد تک کارفرما سمجھا جاسکتا ہے۔

گر بین نیاز فتحپوری معجزات عیسیٰ کا انکار، ہم انکے دعوائے اسلام کی بنا پر یہ کہکر توجہ کردین گے کہ تم مسلمان ہو اور قرآن مجید مین ان معجزات کا تذکرہ موجود ہے۔ لہذا تمھین انکار کا حق نہین چنانچہ چھ برس پہلے مین نے ایک مبسوط مقالہ "عجائز عیسوی" کے عنوان سے "نگار" کے مذکورہ بالا خیالات ہی کی رو مین قلمبند کیا تھا جو الواعظ کی متعدد اشاعتون مین مسلسل طور پر شایع ہوا لیکن اُس مضمون مین جا بجا تک دیکھا جائے یہی ہے کہ قرآنی ادلہ سے صاف طور پر اُن معجزات کا ثبوت پیش کرکے مدیر "نگار" نے انکے خود ساختہ "تاویلات کرکے جو دا" ناداری کرنا چاہی ہے اُس کا پردہ فاش

کیا گیا ہے۔ وہ مضمون مسکت ضرور ہے اور اسی بنا پر "نگار" کو پھر اُس پر قلم اٹھانے کی جراُت نہیں ہوئی لیکن یہ اُسی وقت تک کہ جب تک بد قسمتی سے مدیر نگار اپنے تئیں مسلمان کہے جاتے ہیں اور اگر وہ ذرا جراُت کر کے یہ کہدین کہ ہم قرآن کی آیتون کو نہیں مانتا تو پھر انکی فتح اور ہماری شکست، ہم پھر معجزات عیسیٰ کا کوئی ثبوت انکے سامنے پیش نہیں کر سکتے اسلئے کہ حربہ ہمارے ہاتھ مین ایک ہی تھا جس کو اُنھون نے ہم سے چھین لیا یہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی خصوصیت ہے کہ حضرت کی نبوت دنیا کے آخری دور تک ہر وقت زندہ ہے، حضرت کی نبوت ورسالت کی بنیاد صرف ان وقتی معجزات پر نہ تھی جو اُس زمانہ مین موجود ہونے والے اشخاص ہی کے سر تسلیم کو خم کرا سکتے بلکہ حضرت کے دعوے کی بنیاد اُس قرآن مجید پر ہے جو ساڑھے تیرہ سو برس گذرنے کے بعد بھی اسوقت زندہ ہے اور دنیا کو حق وصداقت کی طرف دعوت دے رہا ہے۔

قرآن مسلمانون کا سب سے بڑا سرمایہ ہے

دنیا تہی دست ہے جبکہ اُس کے پاس قرآن کے مثل کوئی کتاب نہیں لیکن مسلمان قرآن کی بدولت اُس خزانۂ عامرہ کے مالک ہین جس کی نظیر صفحہ روزگار مین مل نہیں سکتی،

تباہ ہوجائین سابقہ اسلامی سلطنتین اور مٹ جائے انکا جاہ وجلال لیکن

جب تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں قرآن موجود ہے وہ دنیا کے اقوام میں سربلندی کے مالک ہیں، حقانیت و صداقت کا علم انکے سر پہ لہراتا اور شاہی طاقت و جبروت کا پرچم انکے ساتھ ہوا میں اڑ رہا ہے۔

قرآن جس طرح اپنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے مشرکین عرب کیلئے معجزہ تھا جو اس قلمرو میں خداوندی کے مدعی تھے اسی طرح وہ اپنی حقائق و اسرار کی حیثیت سے بھی معجزہ ہے۔

اس کی آیتوں میں وہ بیش بہا جوہر نظر آتے ہیں جو بڑے سے بڑے فلسفی کو اپنی حقانیت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس میں علوم و فنون کے وہ اسرار و دقائق مندرج ملتے ہیں جن کو سالہا سال کی تحقیقات کے بعد معلوم کرنا سرمایۂ افتخار سمجھا گیا ہے۔

اس میں ایسے انکشافات کا بھی پتہ ہے جن سے دنیا قرآن مجید نازل ہونے کے تیرہ سو برس بعد تک بھی بے خبر رہی اور اب تحقیق و جستجو کے ہاتھوں نے پردہ اٹھا کر ان حقائق کو سامنے پیش کر دیا ہے۔

پیش کریں مسلمان اور شوق سے پیش کریں اس قرآن کو تمام مذاہب عالم کے سامنے بلند کریں آواز اور اس طرح کہ دنیا کی وسیع فضا گونج اٹھے اور پھر دعوت دیں کہ تمام فلاسفۂ دنیا، تمام علوم و فنون کے ماہر، تمام تمدن و اخلاق و علم النفس و سیاست و اجتماع اور مذاہب و ادیان کے راہنما اسکی ایک ایک سطر ایک ایک

جملہ بلکہ ایک ایک حرف کو دیکھیں درس لیں پڑھیں اور اُس میں غور کریں یقیناً غلط فریبی کے پردے جو آنکھوں پر پڑے ہیں اٹھ جائیں گے، قرآن کی حقانیت آفتاب نیمروز بن کر چمکے گی اور دنیا کو اپنا حلقہ بگوش بنالے گی - یہ ہے قرآن کہ جو مسلمانوں کا سب سے بڑا سرمایہ اور اسلام کا خزانۂ عامرہ ہے -

وحی آسمانی کی طرف منسوب شدہ کتابوں پر نظر

وہ کتابیں جو الہامی سمجھی جاتی ہیں اور وحی آسمانی کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اُنکے متعلق اگر خود اُنکے ماننے والوں کے محررات کی روشنی میں نظر کیجائے تو اُنکی تاریخ زندگی ایسے حوادث وانقلابات کا مجموعہ نظر آتی ہے جنکی بناپر کسی صورت سے وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اُنکے کسی حصہ، کسی جزو کا وجود بھی دنیا میں باقی ہے اور یہ کہ جسے اب اُسکے متبعین سر اور آنکھوں پر رکھ رہے ہیں یا اور خدا کا کلام سمجھتے ہیں اُس میں کوئی آدھا چوتھائی جملہ بھی اُس حقیقی وحی سے عیناً مطابق ہے جو پیغمبروں پر نازل ہوئی تھی -

توریت کی سرگذشت

توریت کہ جو یہود ونصاریٰ کی متفقہ کتاب اور اس لحاظ سے حقیقی اہمیت کی مالک ہے اُسکی تاریخ عجیب روح فرسا مصائب پر مشتمل ہے جنمیں کہ ہر ایک

اسکی زندگی کو فنا کر دینے کی ضامن ہے۔

پہلی مصیبت

اُسکے امانت دار اور حامل (بنی اسرائیل) کا بار بار دیانت موسویہ سے کنارہ کشی کر کے ارتداد اختیار کرنا اور تمام قوم کا من حیث المجموع بیک مرتبہ خدا پرستی کو ترک کر کے بت پرستی شروع کر دینا جسکے نمونہ دو چار نہین بلکہ دو تین صدی کے اندر دس مین کی تعداد یا اس سے زیادہ تک پہونچتے ہین۔

بھلا وہ قوم کہ جو خود موسیٰ کی زندگی مین حقائق الٰہیہ سے اتنی بعید تھی کہ بات بات پر توحید کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر شرک اختیار کرتی تھی وہ موسیٰ کے بعد کب دیانت موسویہ پر قائم رہ سکتی تھی۔ چنانچہ ابھی موسیٰ کے وصی یوشع کے انتقال کو کچھ زیادہ عرصہ گذرنے نہ پایا تھا کہ بنی اسرائیل نے اپنے خدائے برحق کو چھوڑ کر دوسرے خداؤن کی پرستش شروع کر دی اور ان کو سجدہ کرنے لگے جسکی سزا مین خدا نے ایسے اقوام کو مسلط کیا جنھون نے انکو غارت اور انکے اموال کو برباد کیا اور انکو غلام و کنیز بنا کر فروخت کیا۔ اسکے بعد وقتاً فوقتاً خدا مصلح پیدا کرتا رہتا تھا لیکن ادھر ایک مصلح کا انتقال ہوتا تھا ادھر پوری قوم کی قوم کفر و شرک اختیار کر لیتی تھی۔

(سفر قضاۃ باب ۲ آیت ۱۔۱۹)

بنی اسرائیل کا قیام کنعانیین وحثیین و اموریین وغیرہ کے درمیان ہوا اور ان سے میل جول بڑھا یہانتک کہ انکی لڑکیون کی شادی انکے یہان اور انکی لڑکیون کی شادی انکے یہان ہونے لگی جسکا نتیجہ یہ تھا کہ انکے خداؤن کی پرستش کرنے لگے

اور اپنے خدا کو بالکل بھول کر بتوں کا پوجا پاٹ کرنے لگے جس کی پاداش میں خداوند
پوری قوم کو کوشان رشعتایم بادشاہ آرام النہرین کی غلامی میں دیدیا۔
(باب ۳ آیت ۵ - ۸)

گذشتہ پاداش سے عاجز آکر توبہ وانابت کی اور خدا نے انکو اُس غلامی
سے نجات دی لیکن چالیس ہی برس گذرے تھے کہ پھر پوری قوم دین سے پلٹ گئی
جس کی سزا میں خدا نے عجلون بادشاہ مواب کو مسلط کیا اور ۱۸ برس تک تمام
بنی اسرائیل کو اسکی غلامی کرنا پڑی (آیت ۱۲ - ۱۴)

اس کے بعد خدا نے رحم کھاکر نجات دی مگر اسی برس کے بعد پھر بنی اسرائیل
نے شرارت شروع کردی اور خدا نے یابین بادشاہ کنعان کو مسلط کیا جس نے
بنی اسرائیل کو بیس برس تک سخت ترین تکلیفیں پہونچائیں (باب ۴ آیت ۱-۴)

پھر چالیس برس صبر و سکون میں گذرے اور اسکے بعد پانچویں مرتبہ
بنی اسرائیل نے شرک اختیار کیا اور بت پرستی شروع کی جس کی سزا میں سات برس
بد مدیان کی غلامی کرنا پڑی۔ (باب ۶ آیت ۱-۷)

چھٹی مرتبہ جدعون کے انتقال کے بعد بنی اسرائیل پھر موسوی دیانت سے
پلٹ گئے اور بتوں کی پرستش کرنے لگے اور اُس خدا کو بالکل بھول گئے جس نے
اُن کو چند مرتبہ ظالمین سے نجات دی تھی۔ (باب ۸ آیت ۳۳ - ۳۴)

ساتویں دفعہ اُسوقت جب یائر جلعادی قاضی کا انتقال ہوا تھا بنی اسرائیل

نے شرک اختیار کیا اور کثیر التعداد بتون کی پرستش شروع کر دی اور خدا کی عبادت
کو ترک کر دیا جس کی بسبب سے خدا نے انکو فلسطینیون کے ہاتھ بیچا اور انھون نے
اٹھارہ برس انکی سختی سے حکومت کی کہ بنی اسرائیل کی ہڈیون پسلیون کو چور
کر دیا۔ (باب ۱۰ آیت ۶ - ۸)

پھر شمسون بن ملیل ختر توتی کی وفات کے بعد ان لوگون نے اسی قسم کے
افعال کا اعادہ کیا جس پر دوبارہ اُن فلسطینیون کو چالیس برس تک کیلئے
مسلط کیا گیا (باب ۱۳ - آیت ۱)

مختصر یہ ہے کہ موسوی لوگ موسیٰ کی تعلیم کے خلاف دوسرے اقوام سے میل
جول بڑہا کر انکے اخلاق و عادات سے متاثر ہونے اور انکے بتون کی پرستش
کر کے شرک کو اختیار کرتے تھے اور اپنے لڑکون لڑکیون کو بتون کی خاطر قربانی
کرتے تھے جس کی بنا پر متعدد بار خدا کا غضب انپر نازل ہوا اور ہر مرتبہ انپر ظالمون
کو مسلط کیا جاتا تھا جو انکی انتہائی توہین و تذلیل کرتے تھے اور پھر ہر مرتبہ خدا نے
توبہ و انابت کے بعد انکو نجات دی لیکن وہ لوگ متفقہ طور سے اسکی نافرمانی ہی کرتے
رہے (مزمور ۱۰۶ آیت ۳۴ - ۴۳)

جب سلیمان کا انتقال ہوا اور مملکت بنی اسرائیل دو حصون مین منقسم ہو گئی
ایک جماعت نے جو یہودا و بنیامین کی نسل سے تھی رحبعام کو منتخب کیا اور باقی
جتنے اسباط کی اولاد تھی انھون نے یربعام کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا یربعام نے انکے لئے

دو گو سالہ سونے کے تیار کرائے اور اعلان کیا کہ خدا یہی ہیں جنکی پرستش کرنا لازم ہے
چنانچہ اُن کی پرستش جاری ہوگئی اور اُنکے اطراف وجوانب میں کاہنین نئے
ڈیرے ڈالدیئے اور ایک طویل عرصہ تک اُنکی پرستش جاری رہی (سفر ملوک
اول باب ۱۲ - آیت ۲۵ - ۳۲)

حدیہ تھی کہ اخاب کے زمانہ میں صنم کی طرف دعوت دینے والے چارسو پچاس
نبی تھے اور مختلف معبودوں کے جن کی پرستش ہوتی تھی چارسو نبی تھے -
(ملوک اول باب ۱۸ - آیت ۱۹)

یہ حالت ان لوگوں کی ہوشیع بن ایلہ کے عہد سلطنت تک قائم رہی بلکہ اس میں
اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ ہر سر بلند ٹیلے کے اوپر اور ہر سبز درخت کے نیچے اصنام نصب
کئے اور آتش نذر کے لئے آگ روشن کی خدا کے تمام فرائض وحدود کو ترک کردیا اور
باطل کی پرستش کی اور اپنے لئے طلائی گوسالے ڈھلوا کر بنوائے جنکی عبادت کرتے تھے
جسکی پاداش میں غضبناک ہوکر ربنے اُنکی تمام قوم کو ذلیل کردیا اور اشوریین کے
حوالہ کیا جنھوں نے اُن کو لوٹا اور برباد کیا۔ (ملوک دوم باب ۱۷ - آیت ۷ - ۲۰)

عتالیا بنت عمری کی اولاد کے زمانہ سلطنت میں بیت المقدس کو منہدم کردیا گیا
اور تمام معابد الٰہیہ صنم پرستی کے لئے وقف ہوگئے (اخبار ایام ثانی باب ۲۴ آیت ۷)

یہویاداع کے انتقال کے بعد تمام رؤسا ملک یواش کے پاس آئے اور اسکو
سجدہ کیا اور خدا کی عبادت کو ترک کرکے بت پرستی اختیار کرلی (باب ۲۴ آیت ۱۷، ۱۸)

امصیا نے بادشاہ ہوکر بنی ساعیر کے بت لاکر اُنکے درمیان رکھے اور اونکو سجدہ کیا اور اُنکے لئے آگ روشن کی (باب ۲۵ - آیت ۱۴ - ۱۵)

احاز کی سلطنت ہونے پر پھیر مورتین تراشی گئین جن کی عبادت ہوتی تھی اور اولادین قربانی کے لئے جلائی گئین اور بلند یون کے اوپر اور شاداب درختون کے نیچے پرستش کے لئے بت نصب کئے گئے جسکی پاداش مین ملک رام کے ہاتھون اُن مین سے ایک لاکھ بیس ہزار آدمی قتل ہوے اور لاکھون آدمی قید کئے گئے -

(باب ۲۸ - آیت ۲ - ۶)

ان لوگون کے بیت المقدس کے دروازون کو بند اور اُسکے چراغون کو خاموش کر دیا اور خدائے برحق کی عبادت ترک کر دی (باب ۲۹ - آیت ۷)

بیت المقدس مین اتنی نجاست جمع ہوگئی تھی کہ حزقیاہ نے جب اُسکی تطہیر کا ارادہ کیا تو آٹھ دن مین وہ نجاستین ہٹائی گئین (باب ۲۹ - آیت ۱۶ - ۱۹)

حزقیاہ کے بعد اُسکے بیٹے منسی نے پھیر کفر و شرک کی بنیادین قائم کین اور وہ تمام اصنام جو اُسکے باپ نے منہدم کئے تھے از سر نو قائم کر دیے اور تمام یہودیون کو گمراہ کر کے ایسے افعال کرائے جو گذشتہ نسلون کے افعال سے بھی زیادہ قبیح تھے

(باب ۳۳ آیت ۱ - ۱۰)

بھلا ایک ایسی قوم جس نے مذہبی حیثیت سے اتنے پلٹے کھائے ہون اور اتنی مرتبہ ارتداد کو اختیار کر کے کفر و شرک اور بت پرستی کے راستہ پر لگی ہو اُس کے

متعلق کہان یہ اطمینان ہو سکتا ہو کہ اُس نے کتاب الٰہی اور توریت حقیقی کو اُسکی اصلی حالت پر رہنے دیا ہوگا۔ یا اُسکی حفاظت مین کوئی اہتمام کیا ہوگا بلکہ اُسکی کفر پروری اور باطل پرستی کا اقتضا یہ ہے کہ وہ اُس مین اپنی خواہش کے مطابق طرح طرح کے تصرفات کرکے اُسکو اپنے مذاق کے موافق بنالے اور پھر جبکہ ہمکو موجودہ توریت کے اندر بھی شرک و تعدد آلہہ کے عقیدہ کی جھلک بھی نظر آرہی ہے جسکا ایک نمونہ یہ ہے کہ توریت عبرانی مین اکثر مقامات پر خدا کا تذکرہ کرنے کے موقع پر لفظ "الوھیم" کا اطلاق ہوا ہے اور عبرانی مین "ا" علامت جمع ہے جس کے بنا پر معنی اسکے ہوئے "خدایان" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکی مذہبی اعتقاد طبیعت کا اثر توریت کے اوپر پڑے بغیر نہین رہا اور اُنکے شرک و صنم پرستی کے مسلسل و متواتر نظاہرات نے توریت کے اندر بھی رنگ آمیزیان کی ہین۔

دوسری مصیبت توریت کا اصلی نسخہ جو موسیٰ نے خود لکھکر اولادِ لاوی کے سپرد کیا تھا اُسکے متعلق ہدایت یہ تھی کہ وہ تابوت عہد رب کے پہلو مین بیت المقدس کے اندر رکھا جائے (سفر تثنیہ باب ۳۱ - آیت ۲۵ و ۲۶)

لیکن اس کے بعد تابوت عہد رب مین جو انقلابات ہوئے اُن مین اس نسخہ کا کچھ پتہ نہین چلتا، وہ وقت کہ جب فلسطینین نے بنی اسرائیل پر غلبہ حاصل کیا اور بنی اسرائیل نے اپنی انتہائی کوشکست کے خوف سے تابوت کو بیت المقدس سے نکالکر محلہ عبرانیین مین منتقل کیا اور فلسطینین کو اسکی اطلاع ہو گئی جسکی بنا پر ایک مرتبہ اُنھون نے

حملہ کر دیا اور اسرائیلیین نے تابوت کو چھوڑکر فرار کیا اور اہل فلسطین نے
تابوت پر قبضہ کر لیا اُسوقت اس نسخہ کا کوئی تذکرہ نہین (صموئیل اول باب۴)
پھر جب داؤد نے اس تابوت کو بیت عوبید مین منتقل کیا اور تین مہینہ وہان
رکھنے کے بعد اپنے شہر صہیون مین لے گئے وہان بھی اس نسخہ کا کوئی ذکر نہین۔

(صموئیل دوم باب ٦)

پھر جب سلیمان نے تابوت رب کو خیمۂ اجتماع اور تمام مقدس ظروف کیساتھ
جو اُس خیمہ مین تھے صہیون سے بیت المقدس کی محراب مین منتقل کیا تب بھی
اس نسخہ کا نام ونشان نہین۔ یہ بھی نہین کہا جاسکتا کہ یہ نسخہ تابوت کے اندر تھا
اس لئے کہ اس موقعہ پر تابوت کے اندر بتصریح عہد قدیم صرف وہ دو پتھر کی لوحین
تھین جو مصر سے نکلتے وقت اُنھون نے بطور معاہدہ بنی اسرائیل کے لئے مقام
حوریب مین تابوت کے اندر رکھی تھین (ملوک اول باب ۸ آیت ۱۔ ۱۰)
اگر یہ امر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ نسخہ تابوت کے پاس بیت المقدس کی محراب
کے اندر موجود تھا تو کیا وہ اُس وقت باقی رہ سکتا ہی جب رحبعام کے زمانہ مین شوشق
بادشاہ مصر نے اورشلیم پر چڑھائی کر کے خانۂ خدا کے تمام خزانے اور بیت المقدس کی
(بلا استثنا ء) ہر چیز لوٹ کر اپنے قبضہ مین کر لی تھی۔

(ملوک اول باب ۱۴ آیت ۲۵ و ۲۶)

اگر وہ اُسوقت باقی بھی رہ گیا ہو تو کیا وہ اُسوقت رہ سکتا ہے۔ جب

عثلیا کی اولاد نے بیت المقدس کو منہدم کر دیا تھا اور جتنی مقدس چیزیں اُس میں تھیں وہ انہیں بعلیم کے لئے لے گئے تھے جسکے بعد یو اش اور یہویاکو دوبارہ بیت المقدس کی ازسر نو اُسکی سابقہ بنیادون پر تعمیر کی ضرورت ہوئی تھی۔

(ایام دوم باب ۲۴ آیت ۷ - ۱۳)

فرض کرو کہ اسوقت بھی وہ نسخہ باقی رہا تو کیا اُس وقت بھی وہ باقی رہا جب یہواش مشرک نے اورشلیم مین آکر اُسکی چار دیواری کو چار سو ہاتھ کی مسافت تک منہدم کر دیا اور جتنا طلا و نقرہ اور جتنے ظروف بیت المقدس مین موجود تھے سب کو قبضہ مین کر لیا۔ (ملوک دوم باب ۱۴ آیت ۱۳ - ۱۴)

اچھا اسوقت وہ باقی رہا تو کیا اُس وقت وہ تلف نہین ہوا جب احاز مشرک نے تمام بیت المقدس کی اشیاء کو ضبط کر کے بیت المقدس کے دروازون مین قفل لگا دیئے اور اورشلیم کے ہر گوشہ مین اپنے لئے مذابح یعنی قربانی کے مقامات مقرر کئے (ایام ثانی باب ۲۸ آیت ۲۴)

اور کیا اُس جماعت نے اس نسخہ کو چھوڑ دیا تھا کہ جس نے بیت المقدس کو نجاست سے اس طرح ملو کر دیا تھا کہ آٹھ دن اُسکی صفائی مین صرف ہوئے

(باب ۲۹ آیت ۱۷)

درایت کے اصول پر ان واقعات کو دیکھنے سے یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ توریت کا اصلی نسخہ باقی نہ تھا اور وہ انقلابات وحوادث کی نذر ہو گیا تھا۔

تیسری مصیبت توریت کے اصلی نسخہ کے سوا کسی دوسرے نسخہ کا وجود بھی صدر اول مین پایا نہین جاتا اور اگر پایا بھی جائے تو وہ صرف دو ایک شخصون کے پاس محدود تھا اور عام طور سے اُسکے نسخون کی اشاعت نہوئی تھی اور اس لحاظ سے اگر اصلی نسخہ مفقود ہوجاتا تو اُس کا قائم مقام ملنا ممکن نہ تھا اور اُس پر کوئی افتاد پڑتی خواہ اُس کو مفقود کرکے دوسرا اُسکی جگہ پر ایجاد کرلیا جاتا یا خود اُسی مین کمی زیادتی کرکے تراش خراش کی جاتی تو اُسکی عام طور پر شناخت کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔

عہد مقدس مین تصریح موجود ہے کہ بنی اسرائیل پر بہت ایسے وقت گذرے ہین کہ نہ اُنکے لئے کوئی سچا خدا تھا اور نہ کوئی تعلیم دینے والا کاہن جس کے تعلیمات پر وہ چلتے اور نہ اُنکے لئے کوئی شریعت موجود تھی۔

(ایام دوم باب ۱۵ آیت ۳)

اور عبرانی نسخہ مین یہ ہے کہ نہ اُنکے پاس اُس زمانہ مین تورات تھی۔

وہ وقت کہ جب یوشیا نے شافان کاتب کو بیت المقدس مین وہان کے کاہن حلقیا کے پاس بیت المقدس کے بعض داخلی انتظامات کے لئے بھیجا ہے اُس موقع پر حلقیا نے کہا کہ مجھے بیت المقدس مین سفر الشریعۃ (توریت) دستیاب ہوا ہے اور وہ سفر شافان نے لاکر بادشاہ کے سامنے پیش کیا اور اُس کو پڑھ کر سنایا، بادشاہ نے اُس کو سنکر اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور کاہنون کو بلاکر ہدایت کی کہ وہ بارگاہ خدا مین

توبہ و انابت کرین اُن مضامین کی جہت سے جو اس دستیاب ہونے والے سفر مین ہین اسلئے کہ ہم نے اور ہمارے آبا و اجداد نے اب تک ان تعلیمات پر عمل نہین کیا

(ملوک دوم باب ۲۲ آیت ۸ - ۱۳)

نیز بادشاہ نے تمام بزرگان یہودا و اورشلیم کو جمع کیا اور بادشاہ ان سب کو لیکر بیت المقدس کی جانب گیا اور اُن سب کو وہ سفر پڑھ کر سنایا اور خدا کیساتھ عہد و پیمان لیا کہ اب وہ اسکے احکام پر عمل کرینگے اور بادشاہ نے کاہنون کو حکم دیا کہ وہ بیت المقدس سے تمام اُن اسباب و آلات کو جو صنم پرستی کیلئے وہان جمع کئے گئے تھے نکالکر اورشلیم کے باہر آگ مین جلا دین اور اس طرح جتنے فسق و فجور اور کفر و شرک کے ذرائع بیت المقدس کے اندر اور اردگرد تھے سب کو تباہ و برباد کر دیا

(باب ۲۳)

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ اسکے قبل سفر توراۃ موسائیون کے ہاتھ مین موجود نہ تھا اور وہ مفقود ہو چکا تھا جب ہی حلقیا کے ذریعہ سے بادشاہ نے جو توراۃ کے مضامین کو سنا تو وہ از خود رفتہ ہو گیا اور وہ اُسکو عجب چیز معلوم ہوئے اور ان تعلیمات کو سنکر جو اب تک اُنکے گوش زد نہ ہوئے اُن تمام لوگون پر خوف و ہراس کا غلبہ ہوا۔

پس جبکہ توراۃ کا نسخہ کسی کے پاس موجود نہ تھا تو اس بات کی کونسی ضمانت ہو سکتی ہے کہ حلقیا نے جو کتاب توراۃ کہکر دی وہ حقیقۃً توریت ہی تھی؟

کیا نہین ممکن کہ بادشاہ کو صحیح راستہ پر لگنے کے لیئے یہ حلقہ یا کی ایک چال کی ہو جو بر موقع نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔

پھر اُس موقع پر کہ جب بی بابل سے یہ لوگ نجات پاکر واپس ہوئے اور خدا پرستی کی طرف توجہ کی تو تمام جماعت نے متفقہ حیثیت سے عزرا کاتب کے پاس آکر مطالبہ کیا کہ وہ سفر توریت کو لاکر اُنکے سامنے پڑھ کر سنائے چنانچہ عزرا اُس سفر کو لیکر تمام جماعت کے سامنے جو مرد و زن سے مخلوط تھی لے کر آیا اور صبح سے دوپہر تک اُسکو پڑھ کر سناتا رہا، تمام مجمع گوش بر آواز تھا اور توریت کے مضامین کو سن کر اُنکی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ دوسرے دن تمام بڑے بڑے پادری اور کاہن اور لاوین عزرا کے پاس جمع ہوئے کہ وہ اُنکو آیات توریت کے معنی سمجھائے چنانچہ اُس مین لکھا ہوا پایا کہ بنی اسرائیل ساتوین مہینہ مین عید کے دن چھتوان کے نیچے بسر کرین جس کو سنکر سب چھتون کے بنانے مین مشغول ہو گئے (سفر نحمیا باب ۸)

توریت مین یہ بھی لکھا دیکھا کہ عمونیا اور موبیا کبھی موسائیون کی جماعت مین داخل ہونے پائین اسلئے کہ اُنھون نے بنی اسرائیل کے ساتھ کوئی ہمدردی نہین کی، یہ سنکر اُن لوگون نے مذکورہ بالا اشخاص کو جماعت سے جدا کر دیا (نحمیا باب ۱۳)

اس سے بھی غیر مشتبہ طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ توریت کا وجود صرف عزرا سے مخصوص تھا یہان تک کہ آبا، لیویین اور کاہن لوگ جو حقیقتہً توریت کے امانتدار تھے اُنکے پاس بھی اُس کا وجود نہ تھا ورنہ ان سب کو بالاتفاق عزرا کے پاس جمع ہوکر

توریت کے سننے اور سمجھنے کی ضرورت نہ تھی اور نہ اس توریت سے ایسے احکام پر وہ مطلع ہوتے جن سے ابتک وہ بالکل بے خبر تھے اور اب توریت کے سننے کے بعد انکو توجہ پیدا ہوئی۔

جب توریت کا وجود اتنی محدود حیثیت رکھتا تھا کہ وہ ہر وقت صرف ایک شخص کے پاس محفوظ تھا تو اب توریت کا اصلی حالت پر باقی رہنا صرف اُسی شخص کے رحم وکرم کا پابند ہے ورنہ اگر کہین پر شخصی ونفسانی اغراض نے قلم کو جنبش دیدی تو اُسکی نہ داد ہوسکتی ہو نہ فریاد اسلیئے کہ سوائے اُسکے کوئی شخص تورات پر مطلع ہی نہین ہو۔

مثال کے طور پر کیا یہی نہین ممکن کہ عمونیا وموابیا کی جماعت سے نکال دئیے جانے کا حکم جو توریت مین تازگی کے ساتھ پایا گیا اور موسائیون کو خواہ مخواہ اُس پر عمل کرنا پڑا وہ کسی ذاتی کاوش کا نتیجہ تھا کہ جو عزرا کو اُن اشخاص سے پیدا ہوگئی تھی۔

یقیناً جبکہ تورات ایک یا دو شخصون کا مخصوص سرمایہ قرار پاگئی تو اب نہ اُس مین تواتر کا دعوے ہوسکتا ہے اسلیئے کہ تواتر کے لئے اتنی جماعت کی ضرورت ہے جنکا خلاف واقعہ بات کے بیان کرنے پر متفق ہوجانا ناممکن ہو اور نہ اُسکے کسی قسم کی تحریف وتبدیل کے خلاف کوئی ضمانت ہوسکتی ہے۔

چوتھی مصیبت خود کتاب مقدس مین متعدد جگہ اسکے تصریحات پائے جاتے ہین کہ توریت مین تحریف ہوئی ہے اور وہ اپنی حالت پر باقی نہین ہے۔

ملاحظہ ہو سفر ارمیا باب ۲۳ آیت ۳۶۔

"وحی الٰہی کا تو نام ہی نہ لو اسلیئے کہ وحی ہر شخص کی وہی ہے جو اُس کا کلام ہو اور تم نے خدا کے کلام مین تحریف کردی ہے"

نیز باب ۸ آیت ۸

"کس طرح تم کہتے ہو کہ ہم حکما رہین اور شریعت خدا (توریت) ہمارے پاس ہے۔ یقیناً یہ غلط ہے۔ اس شریعت کو تو لکھنے والون کے دروغ گو قلم نے بدل دیا ہے"

سفر اشعیا باب ۲۹ آیت ۱۶ مین ہی۔

"اُف ری تمھاری تحریف"

افسوس ہو کہ ان تصریحات مین تحریف کی نوعیت کو بھی تبلا نہین دیا گیا ہے جسکی بنا پر ہر قسم کی تحریف کا شبہہ ہو سکتا ہے اور پھر سفر ارمیا والی پہلی آیت سے تو صاف ظاہر ہے کہ تحریف اس حد پر ہوئی جس نے اُس کو درجۂ اعتبار سے ساقط کردیا جب ہی کہا جاتا ہے کہ "وحی آسمانی کا نام لو"

اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریف احکام الٰہیہ کو بھی صدمہ پہونچائے بغیر نہین رہی جب ہی یہ کہنے سے منع کیا گیا ہے کہ شریعت خدا ہمارے پاس موجود ہی۔

ان تمام مصائب کے بعد جنھون نے کتاب مقدس کی زندگی کو مشکوک بنا دیا

یہ کسی صورت پر باور نہین کیا جا سکتا کہ موجودہ توریت یا اُس کا کوئی ایک جزو
بھی بالکل وہی ہی جو موسیٰ پر نازل ہوئی تھی بلکہ پوری کتاب کے متعلق یہ شبہہ
پیدا ہونے کا حق ہی کہ وہ کسی جدت طرازی اور طبع آزمائی کا نتیجہ ہے جس طرح اُسکے
ہر ہر جزو کے متعلق یہ خیال کئے جانے کا موقع ہے کہ وہ کسی کی تراش و خراش کا
نتیجہ ہو۔ اور اسکے بعد کسی ایک لفظ کے متعلق بھی بوثوق یہ نہین کہا جا سکتا کہ وہ
یقیناً وحی آسمانی کے مطابق اور خدا کا کلام ہے۔

اور پھر لطف یہ ہے کہ خود اُس مین ایسے شواہد موجود ہین جو تبلا رہے ہین کہ
وہ پورے کا پورا خدا کا کلام نہین ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا یہان تک کہ سفر تثنیہ کے
باب ۳۴ مین موسیٰ کی وفات کا قصہ اور بنی اسرائیل کی اُنپر گریہ وزاری تک کا تذکرہ
موجود ہے چنانچہ اُس مین لکھا ہے

"موسیٰ زمین مواب مین انتقال کر گئے اور وہین دفن ہوئے اور آج تک
کسی کو اُنکی قبر کا پتہ نہین چلا اور موسیٰ کی عمر اسوقت ایک سو بیس برس کی تھی باوجود
اسکے اُنکے آنکھون کی بصارت اور اُنکے چہرہ کی شادابی مین فرق نہ آیا تھا۔ بنی
اسرائیل تیس دن تک موسیٰ پر گریہ وزاری کرتے رہے اور یوشع بن نون روح حکمت
سے پر تھے اسلئے کہ موسیٰ نے اپنا ہاتھ اُنپر رکھا تھا، بنی اسرائیل نے اُنکی اطاعت کی
اور اُن احکام پر عمل کیا جو رب نے موسیٰ کو دیئے تھے موسیٰ کے بعد پھر کوئی ویسا نبی
بنی اسرائیل کو نصیب نہین ہوا جس سے خدا منھ در منھ شناسائی پیدا کرے"

یہ لفظیں ہرگز اُس توریت کی نہیں ہو سکتیں جو خدا نے موسیٰ پر نازل کی تھی۔ بلکہ صاف طور پر ظاہر ہے کہ وہ موسیٰ کے انتقال سے بہت دن کے بعد تصنیف کی گئی ہیں۔

انجیل اور اُسکی موجودہ حیثیت

توریت کے بعد دوسرا نمبر انجیل کا ہے اس لئے کہ وہ عیسائیون کی مقدس کتاب ہے جو مذاہب عالم کی مردم شماری مین اسوقت اول درجہ رکھتے ہین۔ بیشک انجیل آسمانی کتاب ہے جو رب کی جانب سے عیسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی لیکن کیا اسکا وجود باقی ہے اور کیا موجودہ اناجیل جنکے ہزار ہا زبانون مین ترجمے ہو چکے ہین اور ہر سال لاکھون کی تعداد مین شائع ہوتے ہین اُن مین کوئی حصہ اور کوئی جزو بھی یقینی طور پر وحی آسمانی ہے؟ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس کا جواب نفی مین ہے۔

انجیل کے متعلق گوناگون وجوہ پر نظر کرنے سے اس امر کا کوئی اطمینان باقی نہین رہتا کہ موجودہ اناجیل مین وحی الٰہی کا بھی کوئی حصہ ہے۔

پہلی وجہ اس مین کوئی شبہہ نہین کہ عیسیٰ پر جو انجیل نازل ہوئی تھی وہ ایک ہی تھی اُس مین دو تین چار یا اس سے زیادہ کی تعداد کا پتہ نہ تھا لیکن انجیل کے نام سے جو کتابین تصنیف ہوئین انکی تعداد دس بیس نہین بچاس سے گذر کر ستر

بلکہ اس سے زیادہ تک پہونچ گئی جس کی تصریح اوریشین۔ ازیب۔ شیردم وغیرہ اکابر
مسیحیین کے کلمات مین موجود ہے۔

عیسٰی کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے چارسو برس بعد اختلافات سے عاجز
آکر ان پانچ انجیلون پر اتفاق کیا گیا جنمین سے چار یہی ہین کہ جو مشہور ہین اور
ایک انجیل صبوہ ہے جس کو بہت کم لوگ جانتے ہین اور وہ بطرس کی طرف منسوب ہے
جس مین مریم کی زبانی مسیح کے بچپنے کے حالات کا تذکرہ ہی۔ اس صورت حال کے
دیکھنے پر کیا یہ امر صاف ظاہر نہین ہو کہ انجیل کا اصلی نسخہ عیسائیون کے پاس موجود
نہ تھا اسی لئے ؎

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی

جس شخص کا دل چاہا اُس نے اٹھکر اپنے دل سے ایک انجیل تصنیف کر کے عیسٰی
کی طرف منسوب کر دی اور اگر فرض بھی کیا جائے کہ ان نسخون مین سے کوئی ایک حقیقی
انجیل کا نسخہ تھا تو کیا ممکن نہین کہ اُن بچانوے چھپانوے مین سے ہو کہ جنھین درجہ
اعتبار سے ساقط کر کے چھوڑ دیا گیا اور ان چار پانچ انجیلون مین سے کوئی بھی حقیقی
انجیل سے تعلق نہ رکھتا ہو۔

اور اگر وہ نسخہ ان چار کے اندر موجود بھی ہو تو جبکہ ان چار مین لفظی و معنوی
ہر قسم کے اختلاف اور تناقضات پائے جاتے ہین تو اسکی تعیین کیونکر ہوسکتی ہے
اور در صورت عدم تعیین ان چارون کو برابر سے کلام الٰہی اور وحی آسمانی سمجھنا ج

عیسائیون کا نقطۂ نظر ہو کہان تک صحیح ہو سکتا ہی؟

دوسری وجہ اُسوقت کہ جب مسیح شیطان کی آزمائش کے بعد واپس ہوئے ہین اور پہلے پہل بیت المقدس کی طرف گئے ہین کہ اپنی رسالت کی تبلیغ یہود مین کرین تو پہلی بات جو عیسٰی کی زبان سے نکلی تھی وہ یہ کہ "زمانہ کا دور پورا ہو چکا ہی اور خدائی سلطنت کا عہد قریب آگیا ہے۔ اب تم لوگ توبہ کرو اور انجیل پر ایمان لاؤ (انجیل مرقس باب ۱ آیت ۱۵)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی چیز اُسوقت موجود تھی جس کا نام انجیل تھا اور کون نہین جانتا کہ اس وقت جو ابتدائی دور رسالت مسیح کا تھا اُن واقعات مین سے کہ جو موجودہ اناجیل کے اندر مذکور ہین کسی کا پتہ بھی نہ تھا اسی سے یہ بات سمجھ مین آجاتی ہی کہ موجودہ اناجیل وہ نہین ہین کہ جن پر عمل کی دعوت عیسٰی نے اپنے ابتدائے نبوت ہی سے دی تھی۔

تیسری وجہ مسیحی دیانت کی نشو و نما ناصرہ مین کچھ ماہی گیرون کے گروہ مین ہوئی تھی جنکو علم اور ادب سے کوئی بہرہ نہ تھا اور پھر یہ لوگ یہودیون کی کثیر التعداد جماعت کے اندر بیکسی اور بے بسی کی زندگی بسر کر رہے تھے اس لئے مسیح کے واقعات اور تعلیمات خود اُنکے زمانہ مین قلمبند نہوئے مسیح کو بھی اُن سخت سخت مصائب کی بدولت جو اُنھین آخر وقت تک یہودیون کے ہاتھون برداشت کرنا پڑے جنکی وجہ سے اُنکو بہت کم عمر ہی مین زمین پر سے اُٹھا لئے جانے کی ضرورت محسوس

ہوئی یہ موقع نہ مل سکا کہ وہ اپنے تعلیمات کی جمع آوری کا انتظام کریں۔ اُنکے ساتھ والوں کو جو آخر تک تعداد میں بہت کم رہے۔ تھے اتنا بھی موقع نہ ملا تھا کہ وہ اوس انجیل کو جو عیسیٰ پر نازل ہوئی تھی اپنے پاس نقل کرکے محفوظ رکھ سکیں اور اُس انجیل میں سے سوائے بعض فقرات کے جو معدودے چند افراد کو کہیں کہیں پر سے یاد تھے کوئی جزو بھی اُنکے پاس قید تحریر میں نہ تھا مسیح کے اُٹھائے جانے کے بعد ہی انمین جنگ و جدال کا بازار گرم ہو گیا جس میں ہزاروں آدمیوں کی جانیں تلف ہوئیں اور ان پریشانیوں کے باعث مذہبی بنیادوں کے مضبوط کرنے کی کوئی فکر نہ ہو سکی۔

وہ چند فقرات انجیل کے جو سینوں میں محفوظ تھے اُن میں بھی امتداد زمانہ نے تغیر و تبدل پیدا کر دیا پھر جسکو اپنا اثر و رسوخ قائم کرنا ہوا اُس نے اپنی طرف سے اضافہ کرکے ایک انجیل تیار کر دی جسکی صحت کا دار و مدار بھی صرف اُسی شخص کے دعوے پر ہے جو اُس انجیل کا مصنف ہے۔

چوتھی درجہ موجودہ اناجیل میں سب سے زیادہ معتبر و مستند انجیل متی ہے اس لئے کہ متی باتفاق مسیحین حواریین حضرت عیسیٰ میں سے تھے اور انکی انجیل مسیح کے اُٹھائے جانے کے آٹھ برس کے بعد تمام دیگر اناجیل سے پہلے عالم وجود میں آئی ہے لیکن اس انجیل کی تاریخ اتنی تاریک ہے کہ اُس میں تحقیق کا روشن ترین چراغ بھی جھلملانے لگتا ہے۔

یہ امر شواہد و تصریحات کی بنا پر ناقابل انکار ہے کہ انجیل متی کی اصل عبرانی

زبان میں تھی جو اُنھوں نے تازہ ایمان لانے والے یہودیان اورشلیم کی خاطر سے لکھی تھی لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انجیل کا وہ اصلی نسخہ اب دنیائے مسیحیت میں موجود نہیں ہے اور وہ آج یا آج سے سو برس پہلے نہیں بلکہ دوسری یا تیسری صدی عیسوی ہی میں مفقود ہوچکا تھا، اُسکے مفقود ہونے کے بعد یہ ترجمہ نکلا جو یونانی زبان میں ہے اور جو اب دوسری زبانوں کے تراجم کی اصل ہے لیکن اس مترجم کا کوئی پتہ نہیں معلوم ہے کہ یہ کون شخص تھا اور اُس کے خصوصیات کیا تھے؟ وہ مسیحی تھا یا یہودی یا کسی دوسرے مذہب کا شخص؟ اور آیا اُس کو اس ترجمہ کے ذریعہ سے مسیحی تعلیمات کا پھیلانا مقصود تھا یا اُنکو مٹانا؟ اور کیا وہ عبرانی و یونانی دونوں زبانوں میں اتنی قابلیت بھی رکھتا تھا کہ اُس کے ترجمہ پر کامل اعتماد کیا جائے؟ اور مذکورۂ بالا صورت حال میں کیا یہ شبہ پیدا نہیں ہوتا کہ ترجمہ کی نشر واشاعت کے موقع پر اصل انجیل کا مفقود کردینا اسی غرض سے تھا کہ جو دل بخواہ تصرفات کئے گئے ہیں اُنکا راز فاش نہو سکے اور جو پردہ اُنپر پڑا ہوا ہے وہ زیادہ گہرا ہو جائے اور کسی شخص کو موقع نہ ہو کہ وہ اصلی نسخہ کے ساتھ مطابقت کرکے اُسکی غلطیوں کو طشت از بام کردے۔

پھر جب یہ صورت ہے تو نصاریٰ کی سادہ لوحی نہیں تو کیا ہے کہ وہ اس انجیل پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور یقین کئے ہوئے ہیں کہ وہ متی کی لکھی ہوئی ہے؟ حالانکہ اُسکے مترجم کا پتہ نہیں اور نہ معلوم کتنی گمراہ کن باتیں اُس میں

ایسی درج کردیگئی ہین جنسے نہ متی کی روح خوش ہوگی اور نہ حضرت مسیح اُن کو پسند فرماتے ہین۔ کیا نہین ممکن کہ عبرانی نسخہ کسی یہودی کے ہاتھ مین پڑ گیا ہو اور اُسنے صرف مسیحی تعلیمات کو برباد کرنے کی غرض سے اُس مین جو چاہا اپنی جانب سے تصنیف کرکے لگا دیا ہو۔

پانچوین وجہ انجیل متی کے علاوہ جو انجیلین ہین اُنکے مصنفین نے حضرت عیسٰی کے تعلیمات کو بذات خود حاصل کرنا تو درکنار اُنکی صورت بھی نہین دیکھی۔

مرقس لادی کی اولاد مین سے ایک یہودی شخص تھا جس نے بطرس کی شاگردی اختیار کی اور اہل رومیہ کی فرمایش سے اس انجیل کو تصنیف کیا۔ (دیکھو کتاب مروج الاخبار فی تراجم الابرار مصنفہ بطرس قراماج مسیحی مطبوعہ بیروت سنہ ۱۸۸۰ء)

عیسائیون کا یہ دعوی کہ مرقس نے اس انجیل کو بطرس کی صوابدید کے مطابق تیار کیا تھا اور اس طرح اس کا سلسلہ عیسٰی کے حوارین تک پہونچتا ہے سند کا محتاج ہے۔ کسی کا دوسرے شخص کی شاگردی مین ہونا اس امر کا ذمہ دار نہین ہوسکتا کہ شاگرد جو کچھ لکھے وہ حرف بحرف استاد کی طرف منسوب ہو۔

اب رہ گیا تیسری انجیل کا مصنف تو اُسکے متعلق دنیائے نصرانیت مین اتنا اختلاف ہے کہ ہم اُس کو جہالت اور گمنامی مین انجیل متی کے مترجم کا ثانی

سمجھ سکتے ہین۔

آسنا اتفاقی مسئلہ ہے کہ یہ شخص پولوس کا شاگرد تھا اور اس نے کبھی مسیح کی صورت نہ دیکھی تھی۔ یہ انطاکیہ کا رہنے والا طبیب تھا اور بعض نے کہا ہے کہ مصور تھا۔

بعض علمائے نصارےٰ نے اسکی تصریح کی ہے کہ لوقا نے اس انجیل کو مرقس والی انجیل کے بعد لکھا ہے اور اسوقت پطرس و پولوس دونون کا انتقال ہوچکا تھا اور اس انجیل کے الہامی ہونے کا عقیدہ تو یہین سے تشریف لیجاتا ہوا رہ گئی انجیل یوحنا اُسکی حالت زیادہ گریہ خیز ہے۔ پہلے تو یہ امر پایۂ تحقیق کو نہین پہونچ سکا کہ اس انجیل کے مصنف وہ یوحنا ہین جو عیسیٰ کے شاگردون مین سے تھے بلکہ بعض علمائے مسیحین کا خیال ہے کہ یوحنا کی انجیل مدرسۂ اسکندریہ کے ایک طالب علم کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔

اور بعض ارباب تحقیق نے صاف طور پر لکھا ہے کہ انجیل اور جتنے رسالہ یوحنا کی طرف منسوب ہین وہ اُنکے نہین ہین بلکہ کسی نے دوسری صدی عیسوی کے اوائل مین اُنھین تصنیف کرکے یوحنا کے سر تھوپ دیا ہے تاکہ لوگون کی نظر مین اُنکی قدر ہو اُس پر طرہ یہ کہ اس کتاب کی سب تصنیف جو بتلائی جاتی ہے وہ خود اُسکے الہامی ہونے سے انکار کرتی ہے اسکا تذکرہ ترجمہ انجیل مصنفہ جرجس زوین لبنانی مطبوعہ بیروت ۱۸۶۸ء مین موجود ہے اور اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ رومیہ مین بادشاہ

کی جانب سے یوحنا کے متعلق حکم ہوا کہ وہ زندہ پکتے ہوئے تیل مین ڈالدیئے جائین
لیکن اُنکو موت نہ آئی اُسوقت وہ جزیرۂ باطموس کی طرف جلاوطن کردیے گئے
بادشاہ کے مرنے کی خبر سنکر یہ پھر مقام افسس کی جانب گئے۔

سیرنیطوس اور ابیسون اور اُنکے ساتھ والے جو کہ مسیحی مذہب کا اس عقیدہ
کے ساتھ رکھتے تھے کہ عیسیٰ ایک انسان نہ تھے بلکہ خدائی کا درجہ رکھتے تھے اسلئے
سنہ ۹۶ء مین تمام ایشیا کے پادری جمع ہوئے اور اُنھون نے یوحنا سے خواہش کی
کہ وہ حضرت عیسیٰ کے متعلق ایک انجیل تصنیف کرین جس مین وہ چیزین درج
ہون جو اب تک دوسری انجیلون مین درج ہونے سے رہ گئی ہین اور خاص
طور پر اُس مین مسیح کی الوہیت کو ثابت کرین۔ اُن لوگون کے اصرار پر یوحنا
کو مجبور ہونا پڑا اور اُنکی خواہش کو رد کرنا ممکن نہوا۔

اس بیان سے حقیقت صاف نظر آنے لگتی ہی اور معلوم ہوتا ہے کہ اس
انجیل کے وجود مین آنے کا باعث کیا تھا؟ بات یہ ہے کہ عیسیٰ کے زمین پر
سے اُٹھنے کو جتنا زمانہ زیادہ گذرتا تھا نئے نئے اور بدعت آمیز عقیدون
کی پیداوار بڑھتی جاتی تھی اور حقائق کی جگہ توہمات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا
تھا۔ پہلی دوسری اور تیسری انجیل کی تصنیف تک عیسیٰ کی تعلیمات کا کچھ اثر
باقی تھا جنکی بناء پر اُن مین الوہیت مسیح کا صریحی تذکرہ نہین ہے لیکن اسکے
بعد اس عقیدہ نے کافی ترقی کی اور اس عقیدہ کے مبلغین نے محسوس کیا کہ

یہ بہت بڑی کمزوری ہمارے اِس عقیدہ کی ہو کہ ہماری انجیل اس سے خالی ہو اور ایسے اہم مسئلہ کا اُس مین کوئی تذکرہ نہین۔

بس پھر کیا تھا۔ ایک نئی انجیل کے تصنیف کی رائے ٹھن گئی اور آخر وہ یوحنا کے قلم سے پوری ہوگئی۔

کیا اس صورت حال کے بعد اس انجیل کو الہامی کہا جا سکتا ہو؟

مسیحین نے یہ بات نکالی ہے کہ یوحنا نے جب انجیل لکھنے کا ارادہ کیا ہے تو مخصوص طور پر ایک قلبی نماز خدا کی معیت کے ساتھ ادا کی تھی تاکہ روح القدس اُنپر وحی لاتے رہین لیکن افسوس ہو کہ رجوع قلب سے نماز پڑھنا اس امر کی سند نہین ہو سکتا کہ اس انجیل مین جو کچھ لکھا گیا وہ روح القدس کی لائی ہوئی وحی سے ورنہ علمائے نصاری روزانہ ایک قلبی وروحانی نماز پڑھ کے وحی تروالیا کرتے

اس سے صاف ظاہر ہو کہ موجودہ اناجیل مین کسی صورت سے بھی الہامی ہونیکا عقیدہ نہین کیا جا سکتا

چھٹی وجہ

خود انجیلون کے دیکھنے اور سرسری نظر سے بھی اُنکا مشاہدہ کرنے سے یہ ثابت ہو جاتا ہو کہ یہ وہ کتاب نہین ہے جو خدا نے عیسیٰ پر نازل فرمائی تھی بلکہ وہ درحقیقت مسیح کی تاریخ زندگی اور سوانح حیات کا مجموعہ ہی جس کو چار شخصون نے متغائر لیکن ملتے جلتے پیرایون مین جمع کیا ہو اور ایک کو دوسرے کے تحریرات سے اختلاف و تناقض کی پرواہ بھی نہین ہے اُن کی ابتدا اور انتہا خود اُنکی تاریخی حیثیت کی شاہد ہو۔

انجیل متی کی ابتدا "باب اول کتاب نسب نامۂ عیسی مسیح بن داؤد بن ابراہیم" سے اور انتہا وفات عیسی اور اُنکے دفن وکفن اور زندہ ہوکر آسمان کیطرف جانے پر ہوئی ہے انجیل مرقس کی ابتدا یحیی تعمید دہندہ کے قصہ اور عیسی کے بعض کرامات سے ہوئی ہے اور انتہا پھر عیسی کی وفات و دفن وغیرہ کے حالات پر ہے

انجیل لوقا کے شروع مین تو خود اُسکے مصنف کی جانب سے بہت صاف صاف لکھا گیا ہے کہ یہ اُن واقعات وحکایات کا مجموعہ ہے جو مجھکو موثق ذرایع کہ اور پیش رو معتبر راویون سے معلوم ہوئے ہین اور مجھکو صلاح معلوم ہوئی کہ انکو حرف بحرف سلسلہ وار تحریر کرون - انتہا اس کی بھی عیسی کی وفات اور اُسکے بعد والے واقعات پر ہوئی ہے -

انجیل یوحنا کی ابتدا بھی یحیی کی حکایت سے اور انتہا عیسی کے انجام کار پر ہوگئی ہے اور آخر مین صریحی طور پر لکھا گیا ہے کہ یہ وہ واقعات ہین جن کو عیسی کے ایک شاگرد نے اپنی آنکھون سے دیکھا اور اُن کو اپنے قلم سے لکھا ہے اور وہ مصنف انجیل کے نزدیک صحیح و درست ہین یہ عیسائیون کی سادہ لوحی ہے کہ وہ باوجود ایسے صریح علامات و امارات کے موجودہ انجیل کو عیسی پر اُتری ہوئی الہامی کتاب سمجھتے اور اُس کو وحی الٰہی کی طرف منسوب کرتے ہین -

وید مقدس کی اصلیت

ہندوستان کے اصلی باشندے اور موجودہ زمانہ مین ہندوستان کے

اندر اکثریت رکھنے والی قوم جو ہندو کے نام سے مشہور ہے۔ اسکی مقدس کتاب کا نام وید ہے جو چار حصون مین پائی جاتی ہے۔ رگوید۔ یجرو ید۔ سام وید اتھرو وید سناتن دھرمی ہندوؤن کا خیال ہے کہ ان چار کتابون مین صرف وہ منتر ہین جو عبادت کے موقع پر تلاوت کئے جاتے ہین لیکن کسی قسم کے قانون اور قاعدے جو انسان کو صحیح راستہ پر لگائین اور ایسے احکام جنکی پابندی فرض ہو وہ انکے اندر موجود نہین ہین اور اگر ہین تو وہ ایسے مبہم طور پر ہین کہ جن سے اعلی درجہ کے پاک نفس اور روشنضمیر اشخاص ہی مستفید ہو سکتے ہین۔ اس بنا پر وہ لوگ براہمن گرنتھون کو جنکے نام شت پتھ گرنتھ۔ ایتریہ۔ اور تانڈ یہ ہین وید کی جگہ پر سمجھتے ہین اور انہی کو ہر طرح کے ہدایات کا مجموعہ خیال کرتے ہین اور انکے بعد منوسمرتی وغیرہ کا درجہ ہے لیکن سوامی دیانند سرسوتی جو آریہ سماج کے موسس اور بانی ہین انھون نے مذکورہ بالا ویدون کو بہت زیادہ اہمیت دیدی۔ انکی تعلیم یہ ہے کہ ہر قسم کے احکام اور معارف انہی ویدون سے حاصل کئے جا سکتے ہین اور سوا ان چار ویدون کے باقی کسی کتاب سے سروکار رکھنے کی ضرورت نہین ہے۔

اس غرض کے لئے انھون نے ستیارتھ پرکاش لکھی ہے جس مین ویدون کی تفسیر اپنے طبعزاد خیالات کی بنا پر اس عنوان سے کی ہے کہ معنی کو لفظ اور شرح کو متن سے کچھ لگاؤ ہی نہ معلوم ہو اور اس طرح انھون نے اس دعوے

کو حد ثبوت تک پہونچانے کی کوشش کی ہے کہ دنیا کے ہر مشکل سے مشکل مسئلہ
کو حل کرنے والے وید مقدس ہی ہین۔ اس طرح پر آریہ مذہب کا تمام سرمایہ بلکہ
شہ رگ حیات وید ہی رہ جاتے ہین۔ لیکن افسوس ہو کہ جب ہم اِن ویدون کے
سند و اعتبار پر نظر ڈالکر آخر کی کڑی کو اول سے ملانے کی کوشش کرتے ہین
تو تاریکی کا ایک موج زن دریا سامنے آجاتا ہو جس مین اختلافات کے پر پیچ بھنور
نقطۂ تحقیق کو دور سے دور تر بنا دیتے ہین۔

اِن ویدون کی اصلیت اتنے پردون مین مخفی ہے جنکا اٹھانا اُن کے
عقیدت مندون کے امکان سے باہر ہے۔

پہلا پردہ "وید کس پر نازل ہوئے" یہی ایک ایسا سوال ہو جو ابتک مسلمہ
حیثیت سے طے نہین ہوا ہو سناتن دھرمی صاحبان کا یہ قول ہو کہ
دنیا کے شروع مین پرمیشور نے برہما نامی دیوتا کو پیدا کیا اور انہی کو یہ چارون
وید پڑھا دیئے۔ بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ وید چار نہین بلکہ ایک ہی تھا
جسے برہما نے اپنے شاگردون یعنی رشی لوگون کو پڑھایا تھا اور بہت زمانہ کے
بعد وہ ایک سے چار حصون مین تقسیم کیے گئے۔ یورپ کی سنسکرت دان جماعت
کا قول یہ ہے کہ چارون وید چار مختلف زمانون مین تصنیف ہوئے ہین۔ چنانچہ
سب سے پہلے رگ وید ہے جو کہ نہایت قدیم ہے۔ کچھ سناتنی اصحاب کا یہ بھی
قول ہے کہ اول ایک ہی وید تھا لیکن ویاس جی نے اس خیال سے کہ اس زمانہ

کے لوگ اس قدر محنت نہ برداشت کر سکین گے کہ اُس کو پڑھین اُسکو چار حصون مین تقسیم کر دیا اور ہر ایک وید کو از بر کرنے والون کے خاص خاص خاندان برہمنون مین مخصوص ہوگئے چنانچہ ویدی (یعنی ایک وید والا) دوبے (دو وید والا) تواری (تین وید والا) چوبے (چار وید ون والا) ابتک برہمنون کی خاص خاص ذاتین بنی ہوئی ہین ۔ ان سب کے خلاف، سوامی دیانند سرسوتی بانی آریہ سماج جو جدت طرازی کے گرویدہ تھے اُنھون نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ چارون وید چار شخصون پر نازل ہوئے ہین جنکو رشی یا مہرشی کہا جاتا ہے اور وہ چارون آغاز آفرینش مین بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے اور اُن چارون ملہمون سے ہی برہما جی نے چارون ویدون کو پڑھا تھا (تفصیل کے لئے دیکھو کتاب تحفہ آریہ سماج ج ۱)

پھر بھلا ایک ایسی کتاب کا کیا وزن ہوسکتا ہے جسکے متعلق خود اُسکے ماننے والے ابتک طے نہ کر سکے ہون کہ وہ نازل کس پر ہوئی تھی؟

دوسرا پردہ وید خدائی کلام ہے یا مخلوق کا ساختہ؟ یہ بھی اب تک ہندوؤن اور آریون مین مسلمہ حیثیت سے طے نہین پایا ہے ۔

کہین تو یہ بلند بانگ دعوے ہیں کہ "انسانی ایجاد سے مبرا ایشور اور اُس کے احکامات کے مبین کلمات کا نام وید ہے" (دیکھو سرسوتی جی کی کتاب "رگوید آدمی بھاشیہ بھومکا" مطبوعہ اجمیر طبع سوم صفحہ ۲)

اور اسی بنا پر آگے بڑھ کر صفحہ ۲۹ پر ہے کہ "وید اور اسکے ماسوا جملہ الفاظ قدیم ہین"

حالانکہ قدامت کا دعویٰ اُن تصریحات کے مطابق بالکل باطل ہوا ثابت ہوتا ہے جن مین سلسلۂ تخلیق و تکوین مین ویدون کا تیسرا یا چوتھا نمبر قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ اتیریہ برہمن مین لکھا ہے۔

"پرجاپتی نے خواہش کی کہ مین ظاہر ہوؤن بہت ہوؤن اُس نے نہایت غور و خوض سے دیکھا اور اپنے پورے تدبر کے بعد پرتھوی لوک (کرۂ ارض) انترکش لوک (عالم وسطی) اور دیو لوک (عالم علوی) تین طبقوں کو پیدا کیا پھر اُن تینون طبقون کو بنظر غور دیکھکر اُن سے تین جوتی یعنی شعاعین پیدا کین طبقۂ ارضی سے اگنی وسطی سے وایو اور علوی سے سوریہ اُن تینون جیوتیون سے نہایت تفحص کے بعد اُس نے تین وید پیدا کئے اگنی سے رگوید۔ وایو سے یجروید اور سوریہ سے سام وید"

اور اسی مضمون کی عبارتین شت پتھ براہمن اور گوپتھ براہمن اور چھاندوگیہ اُپ نشد مین بھی موجود ہین۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پنڈت ستیہ دیو جی کی کتاب "ویدون کے ظاہر کنندہ" مطبوعہ بنارس)

اور پرشنو اُپ نشد کے چھٹے پرشن کے چوتھے منتر مین تو ویدون کا ساتوان آٹھوان نمبر قرار دیدیا گیا ہے "اُس ہستی مطلق نے (پہلے) پران کو پیدا کیا اُسکے بعد امید کو اُسکے بعد خلا ہوا- آتش پانی اور زمین کو اُسکے بعد حواس عشرہ اور دل کو اُن کے بعد اناج کو اناج سے مادۂ انسانی کو اس سے تپ

(ریاضت) کو اُس سے منترون کو"

مذکورہ بالا عبارات مین باوجود اُن اختلافات کے جو موجود ہین اتنا ضرور مشترک حیثیت سے پایا جاتا ہے کہ وید خدا کا کلام یا براہ راست اُسکے مخلوق ہین لیکن اسکے بالکل برخلاف بعض مقدس کتابون سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ویدون کے بنانے والے انسانی نوع کے افراد ہین اور انکا براہ راست کوئی تعلق خدا سے نہین ہے۔ چنانچہ "ہری ونش پُران ادھیائے ۷ شلوک ۵۰ سے ۳ ۵ تک لکھا ہے کہ "منتر اور ویاکرن اُن عالم بالا (؟) مین رہنے والے سات رشیون کے تپ (ریاضت) کا نتیجہ ہین کہ جنھین دنیا دار لوگ تابنی وحال مستقبل تینون زمانون مین صاحب منتر ویاکرن اور با حشمت سمجھکر سرنگون ہوتے ہین۔ کیونکہ یہ ساتون رشی سات اوصاف سے متصف ہو کر براز منترون کے مصنف و مالک کہلاتے ہین" اور پنڈت ستیہ ورت سام شرمی اپنی کتاب (ترئی پریچے) صفحہ ۴۷ مین تحریر کرتے ہین۔

"وید ہمارے گذشتہ رشیون کے ذریعہ بنائے گئے ہین یہ بالکل صحیح عقیدہ ہے"

صاحب میدانسا کسی ایسے شخص کا قول نقل کرنے کے بعد جس کا خیال ہے کہ "سمرتیان مستند نہین ہین اسلئے کہ دھرم کا سرچشمہ وید ہی، وید کے علاوہ سب کچھ غیر مستند یا قابل ترک ہے کیونکہ وہ خدا کی کلام نہین"

اسکے جواب مین رقمطراز ہین کہ

"سمرتیان یقینی طور پر مستند ہین کیونکہ ویدون اور سمرتیون دونون کے بنانے والے برابر ہین"

اس عبارت سے بھی صاف ظاہر ہے کہ وید کے بنانے والے مثل سمرتیون کے مصنفین کے انسان ہین اور وہ خدائی کلام نہین۔

(مہابھارت کا دہارتملک اتہاس) صفحہ ۳۲ مین لکھا ہے کہ "وید کسی خاص کتاب کا نام نہین ہے بلکہ مختلف رشیون کے انسانی تجربات کے خاص اصولون کے مجموعہ کا نام وید ہے"

صفحہ ۳۵ مین ہے "پرانے زمانہ کے ہندوستانیون نے خود ہی اپنی تاریخ ان ویدون مین جمع کر رکھی ہے"

صفحہ ۲۶۸ "سنسکرت زبان مین جامع وید کے مانند اور کوئی کتاب پرانی نہین مگر یہ بھی نہین کہا جاسکتا کہ یہ پانچون جامع ایک ہی وقت مین تھے اور ان مین ایک ہی قسم کا دھرم ظاہر کیا گیا ہے" ادنیا اچاریہ کی کتاب کسمانجلی صفحہ ۴۳

"وید انسانی کلام ہے کلام ہونے کی حیثیت سے مہابھارت کی طرح وید انسانی حکایات ہین"

پھر ایک ایسی کتاب جس کے متعلق خود اُسکے معتقدین اس پر متفق نہون کہ وہ خدا کا کلام ہے وہ دوسرے افراد سے کس طرح اپنے الہامی ہونے کے سامنے سر تسلیم خم کرا سکتی ہے؟!

اور پھر جبکہ خود وید مقدس بھی اپنی ہستی کو پہچنوانے مین انہی لوگون کا ہمخیال ہے جو اُسکے ربانی ہونے کا انکار رکھتے ہین۔ چنانچہ اُس مین صاف طور پر موجود ہے کہ "وید نئے و پرانے رشیون کے گیت ہین" (رگوید ۱۰۱-۲)

تیسرا پردہ کاش وہ افراد جنکی طرف ان ویدون کے تصنیف کی نسبت دی جاسکتی ہے اُن کے نفسانی اوصاف اور اخلاقی کمالات ہی پر ایسی مسلمہ شہادتین موجود ہوتین جو اُنکے کلمات کے سر اور آنکھون پر رکھنے کی سند ہوسکتین لیکن افسوس ہے کہ ان ویدون کے مصنفین کا ذاتی تقدس و اعتبار بھی کوئی مسلمہ حیثیت نہین رکھتا بلکہ "مہابھارت کا دھارمک اتھاس" صفحہ ۱۱ مین تو یہانتک ہے کہ "تینون ویدون کے بنانے والے ٹھگ چور اور شیطانی خصلت راکشس تھے"

چوتھا پردہ وید کی حیثیت جو ابتدا مین تھی وہ ایک ہی صورت پر محفوظ بھی نہین رہی بلکہ اُس مین حسب دلخواہ تصرفات ہوتے رہے جنکی بنا پر یا تو وہ کتابین بالکل بدل گئین اور یا اُن مین جابجا حسب دلخواہ اضافہ ہوگئے۔

چنانچہ "مہابھارت کا دھارمک اتھاس" صفحہ ۱۲ مین ہے "جینیون کی کتابون مین اس امر کا ثبوت پایا گیا ہے کہ اصل وید اور ہی تھے رفتہ رفتہ لوگون نے نئے نئے وید بنا کر اُن مین بہت سی حیوانی قربانیون کا ذکر کرکے اُن کی خوب

اشاعت کی"

ص۱۲۱ "آتمارام جینی کا بھی قول ہے کہ پرانے چار وید جین دھرم کو تسلیم تھے مگر جب سے برہمنون نے ان مین ملاوٹ کردی تب سے وہ غیر معتبر کر دئیے گئے"

ص۳۷ "ویدک دھرم کی پہلی تواریخی حالت کی نسبت رگوید ہی سب سے زیادہ مستند ہو سکتا ہے"

ص۱۲۱ "ساتھ ایک بات اور بھی ہے تمام رگوید سے ایک ہی وقت کا دھرم بھی ظاہر نہین ہوتا بلکہ نسبتہً اسکا بھی کوئی کوئی حصہ نیا اور پرانا ہے۔

پانچوان پردہ ویدکے تعلیمات کسی محدود زمانہ کے لئے نہین بلکہ غیر محدود تھے اسکی بھی کوئی ضمانت نہین ہے جبکہ ہندوون کی کتابون مین یہان تک موجود ہے کہ" اسوقت وید بلا زہر کے سانپ کے مانند بے اثر ہے۔

اسوقت وید منتر بلاجان کے جانورون کی طرح مردہ ہین۔

منتر دیوار پر کشیدہ تپلیون کے مانند ہین جیسے اُن تپلیون کی تصویرون مین بظاہر تمام حواس نظر آتے ہین مگر حقیقت مین بالکل بےحس و حرکت ہوتے ہین اسی طرح اس زمانہ مین وید منتر بھی بظاہر تو فائدہ مند معلوم ہوتے ہین گر اثر کے لحاظ سے قطعی بے سود ہین۔ جیسے بانجھ عورتون سے صحبت کرنے مین کچھ فائدہ نہین ہوتا اسی طرح فی زمانا وید منترون سے کچھ حاصل نہین ہوتا"

(شاستری پرچے نمبر ۲ ص۴۲ بحوالہ مہانروان تنتر)

(مذکورۂ بالا مضامین کی اصل عبارتوں کے لئے ملاحظہ ہو پنڈت
ستیہ دیو جی کی کتاب "وید کیا چیز ہے" مطبوعہ جونپور ۱۹۲۶ء)

کیا اتنی کمزوریاں جس کتاب مین پائی جاتی ہوں یعنی جس کی اصل
معلوم نہو کہ وہ کس پر نازل ہوئی؟ وہ الہامی ہی بھی یا انسانوں کی بنائی ہوئی
ہے؟ اسکے بنانے والے پاکباز اور پاک طینت افراد تھے یا بقول بعض ٹھگ
چور وغیرہ؟ اور پھر اس کا اصلی حیثیت پر باقی رہنا بھی مشکوک ہو جس کی بناپر
اس کے کسی جزو کے بابت یقینی طور پر حکم نہ لگایا جا سکتا ہو کہ وہ خدا کا کلام ہے اور
ان تمام جہتوں سے معتبر مان لینے کے بعد اسکے موجودہ زمانے مین قابل عمل ہونے
پر بھی کوئی دلیل نہو وہ کس طور پر اصول مذہب کے لئے قابل عمل اور اقوام عالم کے
سامنے پیش کرنے کے قابل ہو سکتی ہے؟ کیا یہ وید دلیری نہین تو کیا ہے کہ
آریہ اپنے وید مقدس کی ایسی کمزوریوں کے باوجود دنیا کو وید کی طرف دعوت
دیتے ہین اور اس پر طرہ یہ کہ قرآن مجید کے قدس وعظمت پر حرف گیری کرتے
ہین؟ کیا وہ دنیا کو ہمیشہ اپنے کتب کے اندرونی حالات سے بیخبر رکھ سکتے ہین؟

کیا عالم کی آنکھوں پر غفلت کے پردے اس طرح پڑ سکتے ہین کہ روشنی
و تاریکی مین فرق محسوس نہو؟ حقیقت وید کی تاریخ اس حد پر تخیلات و توہمات
سے ڈھکی ہوئی ہے کہ اس مین سے ایک ذرہ بھی حقیقت کا دریافت ہونا دشوار
نہین بلکہ ناممکن ہے

قرآن کریم کی امتیازی خصوصیات

مذکورۂ بالا کتب کے مقابلہ مین جب ہم اسلامی کتاب "قرآن کریم" پر نظر ڈالتے ہین تو وہ ان تمام کمزوریون سے بلند نظر آتی ہے جنکے باعث سے توریت یا انجیل یا وید کے اعتبار کو صدمہ پہونچا ہے بلکہ اُسکی تاریخ ایسے خصوصیات پر مشتمل ہے جو اُسکے استناد و اعتبار کے ضامن ہین۔

پہلی خصوصیت امت اسلامیہ کہ جو قرآن مجید کی امانت دار اور اسکی حفاظت و نگہداشت کی براہ راست ضامن سمجھی جاسکتی ہے وہ حقیقی معنی مین باختلاف زمانہ اُسکے صحیح تعلیمات سے کتنی دور ہوگئی ہو اور اسکی بنا پر اہل معنی اُس پر ارتداد کا حکم لگادین لیکن ایسا کوئی وقت نہین آیا کہ اُس نے بظاہر قرآن کا دامن اپنے ہاتھ سے چھوڑا ہو اور اسلام کے اصول اساسی کو چھوڑکر کفر و شرک اختیار کیا ہو بلکہ جسوقت سے مسلمانون نے دنیائے وجود مین قدم رکھا اُنکی تعداد زیادہ سے زیادہ ہوتی رہی اور وہ برابر اسلام کو اپنا نشان قومیت اور قرآن کو اپنا طرۂ دستار بنائے رہے ساڑھے تیرہ سو صدی مین تاریخ کسی ایسے وقت کا پتہ نہین دے سکتی جس مین مسلمانون نے قرآن مجید سے روگردانی اور اسلام سے کنارہ کشی کی ہو۔

دوسری خصوصیت قرآن مجید کے متعلق ابتدا ہی سے کوئی پابندی

عائد نہین کی گئی کہ اُس کا نسخہ کسی خاص شخص یا جماعت کے پاس محدود رہے بلکہ عام طور پر مسلمانون کو یہ حق حاصل رہا کیا کہ وہ اُسے لکھین نقل کرین اور از بر یاد کرین۔

رسالتمآب صلعم کی حیات مین آیتین جو متفرق طور پر نازل ہوتی رہتی تھین وہ فوراً صحابہ کے گوش گذار کردی جاتی تھین اور برابر مختلف صحابہ اُن آیتون کو جو اُن تک پہونچتی تھین اپنے پاس لکھتے رہتے تھے اور اس طرح اگرچہ قرآن مجید ایک کتاب کی صورت مین جمع نہ ہوا ہو لیکن کافی ذخیرہ اُسکا کثیر التعداد اشخاص کے پاس مکتوبی صورت مین یا سینون کے اندر محفوظ تھا۔

عوض اسکے کہ کوئی پابندی عائد ہوتی برابر جناب رسالتمآب صلعم کی جانب سے قرآن مجید کی زیادہ سے زیادہ مقدار کو حفظ کرنے کی ہدایت ہوتی تھی۔ اطراف وجوانب مین قرآن کی تعلیم کے لئے لوگ روانہ کئے جاتے تھے اور قرآن کا زیادہ مقدار مین علم رکھنے والے کے لئے مخصوص امتیازات مقرر تھے۔ حضرت رسول صلعم کی انتقال کے بعد بھی یہ صورت قائم رہی اور حضرت عمر نے نماز تراویح کی ایجاد کرکے حفظ قرآن کی اہمیت مین ایک باب کا اضافہ کردیا اور اب پورا قرآن نماز دن مین ختم کیا جانے لگا اور جتنا اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ اتنا قرآن مجید کے نسخ مین اضافہ ہوا اور دور دور کے شہرون تک قرآن کے نسخے نقل کرا کرا کر بھیجے گئے۔ یہانتک کہ بیک وقت واحد ہزارہا نسخے اُسکے طول و عرض دنیا مین منتشر نظر آنے لگے

اس طرح اُن توہمات کا بالکل قلع قمع ہوگیا جو توریت وانجیل کے اندر یہود و نصاریٰ کی سیکڑون برس تک پردہ داری نے پیدا کردیئے تھے۔

تیسری خصوصیت قرآن مجید اپنی اصلی زبان (عربی) مین موجود ہے اور صرف موجود نہین بلکہ ہر مسلمان قرآن صرف اسی کو سمجھتا ہی جو مخصوص الفاظ پر مشتمل ہے۔ اُنکے شرعی احکام بھی اسی قرآن سے تعلق رکھتے ہین نماز مین اُسکا پڑھنا لازم اور دیگر مواقع پر اسی کی تلاوت اجر و ثواب کی باعث قرار دی گئی ہے، رہ گئے تراجم وہ صرف ناواقف افراد کے لئے معانی سمجھنے کا ذریعہ ہین، قرآنی احکام سے اُنکو کوئی تعلق نہین برخلاف تورات و انجیل کے کہ انجیل متی کا تو اصلی زبان والا نسخہ ہی دنیا مین موجود نہین ہے۔ اور دوسرے اناجیل و کتب عہدین اگرچہ اصلی زبانون مین موجود ہین لیکن خود اُنکے ماننے والے اُنکے الفاظ کو کوئی اہمیت نہین دیتے اس لئے ہر سال ہزارون زبانون مین اُنکے ترجمے شایع ہوتے ہین، اور عیسائی مبلغین ہر عیسائی جماعت مین داخل ہونے والے کو اسی زبان کی انجیل و تورات دیتے ہین جس کا وہ جاننے والا ہو لیکن عبرانی نسخۂ تورات و انجیل کا اُسکی عام طور سے بھی اُنکو پڑھنا تو درکنار صورت تک نہین دیکھتے۔

چوتھی خصوصیت قرآن مجید کے آیات کو متفرق طور پر خود درسالت مآب بوقت ورود ہی قلمبند کرا لیا کرتے تھے اور پھر اُن متفرق

آیات کو بعد حضرت کی وفات کے جمع کیا ایسے افرادنے جو حضرت کی صحبت مین بیٹھے
ہوئے اور حضرت کے مدرسۂ فیض کے تعلیم یافتہ تھے اور اس طرح وہ کمزوری
جو اناجیل مین اس طرح پیدا ہوگئی کہ اُنکے لکھنے والون مین سے بیشتر افرادنے
عیسیٰ کی صورت بھی نہ دیکھی تھی قرآن کریم مین پائی نہین جاتی ۔

چوتھی خصوصیت قرآن مجید کی ابتدا و انتہا۔ اُسکا اسلوب اور طریقۂ
بیان سب اُسکے کلام آلٰہی اور منزل من اللہ ہونے کا
منادی ہی۔ وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ کی تاریخ زندگی نہین ہے جسمین
اُنکی ولادت سے لیکر وفات تک کے تفصیلی حالات کا تذکرہ ہو اور نہ اُس مین
ایسے واقعات کا تذکرہ ہی جو رسولؐ کی وفات یا اُسکے بعد سے تعلق رکھتے ہون
جنکی بنا پر اُسکے رسول پر نازل ہونے مین شبہہ کیا جائے اور نہ اُس مین غیر خدا
کسی کی زبان سے اس قسم کے فقرات ہین کہ اُس کو کسی نے مستند راویون کے
کلام سے اخذ کرکے لکھا ہے اور یہ وہ واقعات ہین جنھین کسی صحابی نے چشم دید
مشاہدہ کی بنا پر نقل کیا ہے جس کا نمونہ ہم عیسائیون کے اناجیل مین دکھلا چکے
ہین بلکہ اُس مین ہر ہر جملہ اس خصوصیت کا خزینہ دار ہے کہ وہ خدا کی جانب سے
نازل شدہ کلام ہے۔ اُس نے انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ انا نحن نزلنا
الذکر وغیرہ آیات مین اُسکے تنزیل من اللہ کا صراحت کے ساتھ اعلان کیا اسیطرح
اُس مین ہر موقع پر ماضی وحال کے واقعات مین توازن کو ملحوظ رکھکر اپنے زمانہ

نزول کی تعیین مین واہمہ پردازیون کا سدباب کردیا اُس نے رسولؐ کی وفات کا بھی تذکرہ کیا ہے تو اس طرح کہ افئن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ رسولؐ کی زندگی کا کلام ہے نہ یہ کہ وہ انجیل کی طرح رسول کی وفات کے گذشتہ واقعہ ہونے کی بناء پر اُس پر نوحہ سرائی کے لئے بیٹھ جاتا جو اُسکے رسول کے بعد تو زائیدہ ہونے پر قطعی دلیل ہوتی۔

چھٹی خصوصیت

قرآن مجید کی اصلیت وحقیقت کے متعلق مسلمانون کے اندر باوجود آپس کے ہزارہا گوناگون اختلافات کے کوئی اختلاف نہین ہے بلکہ وہ متفقہ حیثیت سے اس نقطہ پر مجتمع ہین کہ قرآن مجید خداوند عالم کا نازل کردہ رسول عربی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل شدہ ہے اور یہ کہ اُس مین کسی انسان کی ساخت و پرداخت کو کوئی دخل نہین ہے اس طرح وید مین اُسکے ماننے والون کے ایک نقطہ پر مجتمع نہونے کی حیثیت سے جو کمزوری پائی جاتی ہے اُس سے قرآن مجید پاک ومنزہ ہے

ساتوین خصوصیت

قرآن مجید کے متعلق اُسکے ماننے والے اس امر پر متفق ہین کہ وہ دنیا کے آخری نقطہ تک کے لئے رہنما بنا کر بھیجا گیا ہے اور یہ کہ وہ کسی خاص زمانہ سے مخصوص نہین ہے۔ اُسکے تعلیمات دنیا مین بقاء و دوام کے مالک ہین اور اُسکے ہدایات زمانہ کے ہر جزو کے لئے مساوی طور پر فائدہ مند ہین اور اس طرح وہ ہر زمانہ مین خود بھی اپنی طرف دعوت

دیتا ہے اور اُس کے معتقدین کے لئے بھی عالم بھر کو اُسکی طرف دعوت دینے کا حق ہے۔

آٹھوین خصوصیت یہ قرآن جب سے عالم وجود مین آیا، اُسکے ہر ہر لفظ اور ہر جملہ کی جانچ پڑتال ہوتی رہی اور زمہ دار افراد کی توجہ اُس کی کتابت وحفظ کے سلسلہ مین اصلی الفاظ کی نگہداشت اور معمولی سے معمولی خصوصیت حتیٰ اعراب، طریق اداء وغیرہ کے متعلق ذرہ بینی پر منعطف رہی اور اس طرح قرآن مجید مین کسی غیر معلوم تصرف یا تحریف کا امکان باقی نہین رہا جو اُس کے سند واعتبار کو صدمہ پہونچانے کا باعث ہو۔

قرآن کریم آپ اپنا معیار ہے

ارباب قلم کی علمی وادبی شاہکارین جو کسی پہلو سے امتیاز کا درجہ حاصل کر لیتی ہین۔ اُنمین قلم کا رنگ ڈھنگ اہل نظر کی نظر کو ایک خاص پیمانہ کا عادی بنا کر اُنکی قوت ادراک کو امتیاز کا جوہر دیدیا کرتا ہے جسکی بنا پر ایک نادیدہ عبارت بھی اُنکے سامنے پیش ہو تو وہ فیصلہ کر دیتے ہین کہ یہ اُس کتاب یا مضمون کا جزو ہے یا نہین چہ جائیکہ قرآن مجید جو اپنے مخصوص طرز ادا اور اسلوب بیان مین اُس امتیاز کو لے کر دنیا کے سامنے آیا تھا جس نے عالم انسانیت کے ہر جزو وکل کو اپنے معارضہ کی دعوت دے کر اُن سے عجز کا اعتراف

کرا لیا اور جس کے سامنے تمام قواے عمل اور انسانی ذرائع و اسباب نے اپنی
شکست کا اقرار کرکے اُسکی کامل فتحیابی کی تصدیق کر دی۔ اُس نے زیادہ
سے زیادہ مطالبہ مین پوری کتاب اور کم سے کم مین اپنے مختصر ترین سورہ کو پیش
کرکے دعوائے یکتائی کیا اور زمین و آسمان کی درمیانی فضا نے صدہا گردش کے
بعد بھی ساکن رہ کر اپنے خاموش نغمون سے اُسکے دعوے کی گواہی دی۔ اُسکا مخصوص
طرز بیان و طریقہ ادا صرف آیات کے فصل و وصل اور اُنکے اختتامی فواصل مین منحصر
نہین ہے جس کا تتبع ایک انشاپرداز کے لئے دشوار نہو ورنہ علی محمد باب کی کتاب البیان
اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی حمامۃ البشریٰ و خطبہ عید الاضحیٰ مین اس جوہر کی
کمی نہین ہے بلکہ وہ اُسکے الفاظ کی نشست اور جملون کے جوڑ پیوند اور عبارت
کی ساخت و پرداخت اور الفاظ و معانی کے مخصوص توازن و تناسب مین اُس
حیرت انگیز پیرایہ کا نام ہے جس نے غیرون کو جادو اور اپنون کو معجزہ کہنے پر مجبور کیا۔
اسی کا نتیجہ ہے کہ جب فصیح سے فصیح عبارت مین قرآن مجید کا ایک جملہ آجاتا ہے
تو وہ اس طرح نمایان ہوتا ہے جیسے سنگریزون مین موتی اور نہین تو ستارون
مین ماہتاب اور اس بنا پر کسی ایک جزو کلام کے متعلق جسمین جزو قرآن ہونے
کا شبہ ہو یہ سمجھ لینا بہت آسان ہے کہ حقیقۃً وہ قرآن کا جزو ہے یا نہین۔ اسی
بنا پر ہم کہتے ہین کہ قرآن خود آپ اپنا معیار ہے۔

اگر درایت کوئی چیز ہے اور روایت کا درایت پر انطباق عقلی بنیاد پر

ضرور ہے تو کسی راوی کا قول کہ فلان سورہ یا آیت قرآن کا جزو تھا اُس وقت
تک قابل اعتماد نہین جب تک وہ خود اپنے جزو قرآن ہونے کی گواہی نہ دے اور
اور اس طرح خواہ اہل سنت کا روایتی سورۂ حفد و خلع ہو یا بعض شیعون کا سورۂ
ولایت کسی صورت پر جزو قرآن تسلیم نہین کیا جا سکتا اسلیئے کہ جب اُس کو مسلّمہ آیات
قرآن کے پہلو مین رکھ کر دیکھتے ہین تو وہی نسبت معلوم ہوتی ہے جو سنگریزہ
کو گوہر شاہوار سے۔

اور اس طرح اکثر اُن آیات کی حقیقت کھلجاتی ہے جن کے متعلق رطب
و یابس جمع کرنے والے محدثین نے جزو قرآن ہونے کے روایات نقل کردیے ہین
یہ نوین خصوصیت ہے قرآن مجید کی جو اُسکے علاوہ دوسری آسمانی کتابون
مین نہین پائی جاتی کیونکہ اُن کتابون مین کوئی ذرہ تیقن یعنے تعین کے ساتھ
یقینی جزو موجود ہی نہین ہے جس کو ہم شک وشبہہ کی صورت کا معیار قرار دین
برخلاف قرآن مجید کے کہ وہ یقینی حیثیت سے آج جو مسلمانون کے ہاتھون مین موجود
ہے باتفاق کل اور روایت و درایت دونون کے اعتبار سے خدا کا کلام ہے اور
وہی مشکوک و مشتبہ صورتون کے لئے معیار بننے کی صلاحیت رکھتا ہے پھر دوسری
کتابون مین لفظ و معنی اور انداز بیان کے اعتبار سے کوئی ایسی خصوصیت بھی
مضمر نہین ہے جو کسی دوسرے کلام کو اُس سے لگاؤ نہ رکھنے دے لیکن قرآن مجید
وہ اپنے ذاتی خصوصیات کی بنا پر خود اپنا معیار بننے کے قابل ہے اور اس طرح

وہ خود بے اصل توہمات کا سد باب اور بے بات کی بات بنانے والون کی زبان بندی کے لئے کافی اور مہیا ہے۔

سند حجیت یا میزان اعتبار

زمانہ کے اجزاء اپنے حوادث سمیت گذرنے والے ہین اور اُس مین پیدا ہونے والی مخلوق سلسلۂ تدریج کی پابند ہے اور اس لئے آخر مین پیدا ہونے والی نسلین اولین اسلاف کے برکات سے اُسوقت تک بہرہ مند نہین ہوسکتین۔ جب تک وسطی حلقے امانت داری کے ساتھ اُنکے پس انداز جواہر کو خود محفوظ رکھکر اُنکے سپرد نہ کرین۔ یونہی آخر کی کڑی اوّل سے اور مستقبل کا سلسلہ ہزارون برس قبل کے ماضی بعید سے متصل ہوجاتا ہے۔ گذشتہ مصنفین کے علمی وادبی جواہر پارے یونہی مسلم حیثیت سے موجود پائے جاتے ہین کہ مستند رواۃ اور معتمد ناقلین نے دست بدست اُنکی نگہداری کرکے امانت کے فرض کو انجام دیا ہے اور باخبر افراد نے اُنکے انتساب کی مسلمہ طور پر تصدیق کرکے اُس مین شک وشبہہ کی گنجایش باقی نہین رکھی ہے۔

یہی تواتر جو کثیر التعداد راویون کے متفقہ بیانات سے یقینی طور پر ثبوت بہم پہنچنے کا نام ہے کسی کتاب کے یقینی حیثیت سے صحت واعتبار کا ضامن ہے لیکن اسکے بعد بھی وہ کتاب اُسوقت مشکوک ہوجائیگی جب مسلمہ شہادات سے اُسکا محرف ہونا ثابت ہوجائیگا اس طرح کہ اُس کے ہر ہر جزو مین احتمال زیادتی و کمی

کا پیدا ہو یعنے اجمالی طریقہ سے اس امر کا علم ہو کہ اُس مین کچھ زیادتی ہوئی ہے یا
ایسی کمی جس نے اُس کے مطالبہ اغراض ومقاصد پر اثر ڈالکر اُسکو ناقص بنادیا ہے
اس صورت مین اُس کا ہر جزو شک وشبہہ کا مرکز بنجائیگا اور کسی جزو پر
بھی اُسکے یقینی طور پر حکم نہ لگایا جا سکیگا کہ وہ اصل کتاب کا جزو ہے لہذا مجموعٔ کتاب
کے ساتھ اُسکے ہر جزو پر بھی اعتماد پیدا ہونے کے لئے دو باتون مین سے کسی ایک بات کی ضرورت ہے
(۱) مستند وجوہ کی بنا پر اُسکے کسی جزو مین بھی زیادتی وکمی کے شبہہ کا
سدباب ہوگیا ہو اور اُس مین کسی ایک کلمہ کے بھی زیادہ وکم ہونے کا ثبوت نہو۔
(۲) اگر اس امر کا یقین ہو کہ اُس مین کہین زیادتی یا کمی ہوئی ہے تو مستند
وجوہ کی بنا پر اُس زیادتی وکمی کے مقامات اور اُنکی نوعیت کا علم ہوگیا ہو اور بقیہ
حصہ کے متعلق کوئی ضمانت ہو جو اُس کی حجیت واعتبار کی قطعی طور پر دستاویز سمجھی جا سکے
اسی طرح اُس کتاب پر اعتقاد رکھنا حق بجانب اور اُس پر عمل کرنا صحیح وجائز ہوگا
ایمان بالقرآن کے اگر صرف یہ معنی ہون کہ حقیقی کتاب جو رسولؐ نے قرآن کریم
کے نام سے پیش کی تھی وہ یقینا خدا کا کلام اور سچا معجزہ ہے تو اسکے لئے موجودہ اجزاء
قرآن مین کسی بحث وتحقیق کی ضرورت نہین ہے کیونکہ ایسا ایمان مسلمانون کو توریت
وانجیل اور دیگر کتب سابقہ پر بھی لازم ہے باوجودیکہ اُنکا وجود دنیا مین باقی نہین اور
جو موجود ہین وہ حقیقی توریت یا انجیل کہنے کے قابل نہین ہین لیکن اگر ایمان بالقرآن
کے معنی یہ ہین کہ موجودہ اجزائے قرآن پر جو بین الدفتین موجود ہین اعتقاد رکھکر اُسکے

کلام خدا اور اسکے ہر جزو کے مستند اور واجب العمل ہونے کا یقین رکھین اور یہ
ایک مخصوص امتیاز ہو جو تمام کتب سابقہ کے مقابلہ مین قرآن مجید کو حاصل ہے
تو اس ایمان بالقرآن کے لئے ضرورت اسی بات کی ہے کہ اس مین تحریف و تبدیل
کے احتمال کا سد باب ہو جائے یا ان موارد کی تعیین ہو جنمین نقص و زیادتی کا
شبہہ ہو اور بقیہ حصہ کے متعلق ایسے وجوہ ہون جو اس کے اعتبار و استناد
کی قطعی دلیل سمجھے جا سکتے ہین۔

قرآن کریم کی نسبت فریقین کا زاویہ نگاہ تحریف قرآن کی روایات اور انکا سند و اعتبار کے معیار سے تطابق، ایمان بالقرآن کی اصلیت۔ اور طرفین کے مذہبی اصول کا توازن

مذکورۂ بالا اصول اور میزان اعتبار کی بنا پر جب ہم عام اسلامی جماعت
کے ان محدثین و مورخین کے بیانات پر نظر ڈالتے ہین کہ جو اپنے تئین ایمان بالقرآن
کا واحد ٹھیکیدار بتا کر دوسرون پر ایمان بالقرآن نہ رکھنے کا الزام عائد کرتے
ہین تو ان بیانات مین ایسی کمزوریان نظر آتی ہین جنسے قرآن مجید کے تواتر
اور اسکے صحت و اعتبار مین طرح طرح کے شبہہ پیدا ہو جانا ناگزیر ہے۔

اور اگر انھیں صرف انہی محدثین و رواۃ کے زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو کسی صورت سے ایمان بالقرآن کا دعویٰ حق بجانب معلوم نہیں ہوتا۔

جمع قرآن کی کیفیت

اس سلسلہ میں حسب ذیل واقعات متمند کتب احادیث و سیر میں درج پائے جاتے ہیں۔

(۱) قرآن مجید جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں اگرچہ متفرق طور پر قلمبند ہو چکا تھا لیکن کتاب کی صورت میں اسکی جمع و تدوین نہوئی تھی جسکی تصریح ائمہ فن کے حسب ذیل بیانات میں صاف طور پر پائی جاتی ہے

قال الدیرعاقولی فی فوائدہ حدثنا ابراھیم بن بشار حدثنا سفیان بن عیینۃ عن الزھری عن عبید عن زید بن ثابت قال قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یکن القرآن جمع فی شئی

"دیرعاقولی نے اپنی سلسلہ وار سند سے خود زید بن ثابت جامع قرآن کی زبانی نقل کیا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے انتقال کیا ایسی حالت میں کہ قرآن یکجا صورت سے جمع نہیں ہوا تھا (اتقان سیوطی ج ۱ ص ۵۸)

اور خود حافظ سیوطی نے مسلم کی ایک حدیث کی توجیہ کرتے ہوئے اسکا مسلّم حیثیت سے اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے۔

قد کان القرآن کتب کلہ فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکن کان غیر مجموع فی موضع واحد ولا مرتب السور" قرآن عہد حضرت

رسول میں پورا مرتب ہو چکا تھا لیکن وہ ایک جگہ پر جمع نہ تھا اور نہ اسکے سورے مرتب تھے (اتقان صہ ۵۹)

خطابی نے اس مسئلہ حقیقت کی اپنے مذاق پر توجیہ بھی کی ہو جس کو علامہ سیوطی بحسب ذیل الفاظ میں نقل کرتے ہین قال الخطابی انما لم یجمع القرآن صلی اللہ علیہ وسلم فی المصحف لما کان یترقبہ من ورود ناسخ لبعض احکامہ او تلاوتہ" حضرت نے قرآن مجید اس لئے مصحف مین جمع نہین کیا تھا کہ آپکو خیال تھا شاید کوئی حکم یا آیت اسکی منسوخ ہوجائے (صہ ۵۸)

بیہقی ہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی ازالۃ الخفا میں تحریر فرماتے ہین

"آن تا آخر زمان آنحضرت مجموع در مصاحف نبود"

اور شاہ عبد الحق محدث دہلوی تفسیر حقانی کے مقدمہ مین رقمطراز ہین

"آنحضرت نے اپنی حیات مین تمام قرآن لکھوا کر ایک جلد مین جمع نہین کیا ہے" (صہ ۸۳)

(۲) حضرت رسولؐ کی وفات کے بعد فوراً ہی عام طور پر صحابہ کرام نے جمع قرآن کی ضرورت محسوس نہین کی بلکہ ان اشخاص پر اعتماد رہا جو متفرق طور سے اپنے سینون کے اندر قرآن کے آیات اور سورون کو محفوظ کئے ہوئے تھے اسکے بعد جب فتنہ ارتداد نے زور پکڑا اور لڑائیون کا سلسلہ شروع ہوا اور یمامہ کی جنگ مین کثیر جماعت حفاظ مین سے قتل ہوگئی اسوقت حضرت عمر کو

قرآن مجید کے جمع و تالیف کی ضرورت محسوس ہوئی جسکے لئے زید بن ثابت کو منتخب کیا گیا اور اسکا تذکرہ صحیح بخاری "باب جمع القرآن" میں حسب ذیل صورت سے موجود ہے۔

ان زید بن ثابت قال ارسل الیّ ابوبکر مقتل اهل الیمامة فاذا عمر بن الخطاب عندہ فقال ابوبکر انّ عمر اتانی فقال ان القتل قد استحرّ یوم الیمامة بقرآء القرآن وانی اخشی ان یستحرّ القتل بالقرّاء بالمواطن فیذهب کثیر من القرآن وانی اری ان تأمر بجمع القرآن قلت لعمر کیف تفعل شیئا لم یفعله رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال عمر هذا واللّٰه خیر فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح اللّٰه صدری لذلك ورأیت فی ذلك الذی رأی عمر قال زید قال ابوبکر انك رجل شاب عاقل لانتهمك وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فتتبع القرآن فاجمعه فواللّٰه لو کلفونی نقل جبل من الجبال ماکان اثقل علیّ مما امرنی به من جمع القرآن قلت کیف تفعلون شیئا لم یفعله رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال هو واللّٰه خیر فلم یزل ابوبکر یراجعنی حتی شرح اللّٰه صدری للذی شرح له صدر ابی بکر وعمر فتتبعت القرآن اجمعه من العسب واللخاف وصدور الرجال حتی وجدت اخر سورة التوبة مع ابی خزیمة الانصاری لم اجدها مع احد غیرہ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم

حریص علیکم حتی خاتمہ البراءۃ فکانت الصحف عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ
ثم عند عمر حیاتہ ثم عند حفصہ بنت عمر۔

زید بن ثابت کا بیان ہے کہ جنگ کہ حضرت ابو بکر نے اہل یمامہ کے قتل ہونے
کے بعد بلوا بھیجا، وہان عمر بن الخطاب بھی موجود تھے، حضرت ابو بکر نے کہا کہ
یہی عمر میرے پاس آئے اور انھون نے کہا کہ یمامہ کی جنگ مین حفاظ قرآن
کا ستھراؤ ہوگیا ہے اور مجھے خوف ہے کہ یونہی دو تین لڑائیون مین اگر حفاظ قرآن
مارے گئے تو قرآن مجید کا کثیر حصہ ہاتھ سے جاتا رہیگا۔ لہذا میری رائے یہ ہے
کہ آپ قرآن مجید کے یکجا جمع کیے جانے کا حکم دیجیے، مین نے یہ سنکر ان سے
کہا کہ بھلا ایسی بات کیونکر کر سکتے ہو جسکو رسالت مآبؐ نے نہین کیا تھا؟ عمر نے
کہا کہ یہ بات تو خدا کی قسم اچھی ہی اچھی ہے۔ اسکے بعد سے برابر عمر مجھ سے اس امر
مین تبادلۂ خیالات کرتے رہے یہان تک کہ خدا نے میرے دل کو اس امر کے لئے
کشادہ کر دیا اور میری بھی رائے انکی رائے کے موافق ہوگئی۔

(پھر زید بن ثابت کو مخاطب کرکے) تم نوعمر جوان سال اور عقلمند آدمی ہو تم
تم پر ہمین اعتماد بھی ہے اور تم حضرت رسولؐ کے لیے وحی کے کاتب بھی رہ چکے تھے
لہذا تم قرآن مجید کو مختلف مقامات سے تتبع کرکے جمع آوری کے کام کو انجام دو۔
(زید کا بیان ہے) یہ سننا تھا کہ میرے حواس اُڑ گئے خدا کی قسم اگر مجھ سے کسی
پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کو کہا جاتا تو وہ میرے اوپر اتنا ہی گران

ہوتا جتنا کہ اُسوقت یہ جمع قرآن کا حکم گران تھا مین نے کہا کہ آخر آپ لوگ ایسی
بات کیونکر کرینگے جو رسالتمآب نے نہین کی تھی حضرت ابوبکر نے کہا یہ تو مفید
کام ہے اور اس مین اچھائی ہی اچھائی ہے اسکے بعد بار بار حضرت ابوبکر مجھ کو ٹوکتے رہے
یہان تک کہ مین بھی حضرت ابوبکر و عمر کا ہمخیال ہو گیا اور مین نے قرآن مجید کو درخت
کی چھالون اور پتھر کے ٹکڑون اور لوگون کے سینون سے کہ جن مین اس کے
متفرق آیات محفوظ تھے جمع کرنا شروع کیا یہان تک کہ سورۂ توبہ کا آخری حصہ
لقد جاءکم رسول من انفسکم الخ ابو خزیمہ یا حضرت ابو خزیمہ انصاری کے پاس
موجود ملا یہ جمع شدہ صحیفے حضرت ابوبکر کے پاس رکھے گئے اور اُنکے بعد
حضرت عمر اور پھر حفصہ بنت عمر کی طرف منتقل ہوئے (بخاری مطبوعہ کرزن
پریس دہلی صفحہ ۷۴۵)

حضرت ابوبکر کے اس فقرہ سے کہ کیف تفعل شیئا لم یفعل رسول اللہ
اور اسی طرح زید بن ثابت کے کہنے سے کہ کیف تفعلون شیئا لم یفعل رسول اللہ
صاف ظاہر ہے کہ قرآن مجید رسالتمآب کے زمانہ مین جمع نہوا تھا اور اب اسکے
مقابلہ مین حاکم کی اس روایت کا وزن باقی نہین رہتا کہ قرآن جناب رسالتمآب
کے زمانہ مین جمع ہو چکا تھا اور یہ کہ زید بن ثابت کا بیان ہے کنا عند النبی صلی اللہ
علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع "ہم حضرت رسول کے زمانہ مین قرآن مجید
کو مختلف کاغذ کے پرزون سے جمع کرتے تھے" جبکہ امام بخاری کی روایت اسکے خلاف

ہے اور پھر زید کی یہ روایت صریحی طور سے اس امر کو بتلاتی بھی نہین کہ قرآن
کے اجزا رکتاب کی صورت مین یکجا جمع کئے جا رہے تھے۔ چنانچہ حافظ سیوطی نے
اس روایت کو نقل کرنے پر امام بیہقی کی توجیہ نقل کردی ہے کہ یشبہ ان یکون
المراد بہ تالیف ما انزل من الآیات المتفرقۃ فی سورھا وجمعھا فیھا باشارۃ
النبی صلے اللہ علیہ وسلم قریبی احتمال یہ ہے کہ اس جمع وتالیف سے متفرق
آیات کو مقررہ سورون کے آیات کے ساتھ ملا کر یکجا کرنا مراد ہو جس کا رسالتمآب نے
حکم دیا تھا (اتقان ج ۱ صفحہ)

دوسری بات جو بخاری کی حدیث سے صاف طور پر ثابت ہے وہ یہ کہ قرآن مجید
کے جمع وتالیف کا کام صرف ذاتی اعتماد کی بنا پر انفرادی حیثیت سے زید بن ثابت
کے سپرد کردیا گیا تھا اور اس بنار پر زید بن ثابت نے جتنی بھی چھان بین کی ہو
اور جس کدوکاوش سے بھی اُس کو جمع کیا ہو لیکن مجموعی حیثیت سے اُسکی صحت
واعتبار کا انحصار زید بن ثابت ہی کی امانتداری و وثاقت پر رہ جاتا ہے۔

اور پھر زید بن ثابت کا یہ بیان کہ "مین نے قرآن مجید کو متفرق درخت کی
چھالون اور پتھر کے ٹکڑون اور مختلف لوگون کے محفوظات کا تتبع کرکے جمع کیا"
اس امر کی صریحی دلیل ہے کہ قرآن مجید اُسوقت مجموعی حیثیت سے کسی شخص
کو بھی صحابہ مین سے یاد نہ تھا ورنہ اتنی زحمت برداشت کرنے کی ضرورت نہ پڑتی

(۳) زید بن ثابت کا انتہائی اہتمام یہ تھا کہ وہ کسی آیت کو اُسوقت تک

درج نہ کرتے تھے جب تک دو عادلون کی گواہیان حاصل نہوتی تھین چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہین قد اخرج ابن اشتہ فی المصاحف عن لیث بن سعد قال اول من جمع القرآن ابو بکر وکتبہ زید بن ثابت وکان الناس یاتون زید بن ثابت فکان لایکتب اٰیۃ الا بشاھدی عدل وانّ اٰخر سورۃ البراءۃ لم توجد الا مع خزیمۃ بن ثابت فقال اکتبوھا فان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم جعل شہادتہ بشہادۃ رجلین فکتب وان عمر اتی بایۃ الرجم فلم یکتبھا لانہ کان وحدہ۔

ابن اشتہ نے کتاب المصاحف مین لیث بن سعد کی زبانی نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے قرآن کو جمع کیا وہ حضرت ابو بکر ہین اور زید بن ثابت اُسکے لکھنے والے تھے۔ اور لوگ زید بن ثابت کے پاس (قرآن کی آیتون کو لیکر) آتے تھے مگر وہ کوئی آیت نہ لکھتے تھے جب تک کہ دو عادل شخص اُس کی گواہی نہ دے لیتے تھے اور سورۂ برارت کا آخری حصہ صرف خزیمہ بن ثابت کے پاس دستیاب ہوا تو وہ صرف اُنھی کی گواہی پر لکھوا لیا گیا اس لئے کہ اُنکی گواہی کو جناب رسالتمآبؐ نے دو گواہیون کے برابر قرار دیا تھا اور حضرت عمر آیہ رجم کو لیکر آئے تو اُسکو درج نہین کیا گیا اس لئے کہ وہ تنہا تھے اُنکے موافق کوئی دوسرا گواہ نہ تھا۔ (اتقان ج ا صنلا)

اس روایت سے بے شک زید بن ثابت کی کد و کاوش کا اندازہ ہوتا ہے

لیکن کیا اس صورت حال نے قرآن مجید کی عظمت مین کوئی اضافہ کیا یا اُس کو محفوظ رکھا؟ کیا اُس کے آیات مین شاہدین عدلین کے گواہی کی ضرورت اُسکے مسلم شان تواتر کو صدمہ نہین پہونچاتی؟ کیا وہ صحابہ جنکے اقوال کو کسی دوسرے کی گواہی نہ ہونے کے سبب سے رد کردیا گیا۔ یقینًا دروغ گو اور افترا پرداز تھے؟ تو پھر عدالت صحابہ کے عقیدہ کا کیا حشر ہوگا؟ اور جب وہ یقینی طور پر کاذب نہین ہین تو کیا اس امر کا یقین اور کم سے کم شبہہ نہین پیدا ہوتا کہ اُن صحابہ کی بتلائی ہوئی آیتون مین معتدبہ تعداد حقیقی آیات قرآن کی تھی جو اس قرآن مین درج ہونے سے رہ گئین۔

بعض روایتون مین زید بن ثابت کا قدم درمیان سے نکالدیا گیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق خود بنفس نفیس جمع قرآن کے انتظام مین مصروف تھے چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہین اخرج ابن ابی داؤد من طریق یحیی بن عبد الرحمٰن بن حاطب قال قدم عمر فقال من کان تلقی من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شیئًا من القرآن فلیات بہ وکانوا یکتبون ذلک فی الصحف والالواح والعسب وکان لا یقبل من احد شیئًا حتی یشھد شھیدان۔

ابن ابی داؤد کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے صحابہ کے مجمع مین آکر اعلان کیا کہ جس کسی شخص نے کوئی حصہ بھی قرآن کا حضرت رسولؐ سے حاصل کیا ہو وہ

اُسکو لا کر پیش کرے اور وہ لوگ قرآن کی آیتوں کو کاغذوں تختیوں اور درخت کی چھالوں پر لکھا کرتے تھے اور حضرت عمر کسی شخص کے دعوے کو قبول نہ کرتے تھے جب تک دو گواہ اُسکی گواہی نہ دیتے تھے (اتقان ج ۱ ص۵۹)

لیکن اس روایت میں یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر حضرت عمر نے آیۂ رجم کو جو اُنکی نظر میں یقیناً جزو قرآن تھی کیوں نہ درج کیا اس لئے کہ ذاتی علم کے بعد عادلین کی گواہیوں کا انتظار کوئی معنی نہیں رکھتا ؛ ہاں مگر یہ کہ حضرت عمر اس طریق میں اس معاملہ میں خود مختار نہ رہے ہوں بلکہ زید بن ثابت اُنکے شریک کار قرار دیئے گئے ہوں جیسا کہ تیسری روایت سے ثابت ہوتا ہے جس کو علامہ سیوطی نے حسب ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے - واخرج ابن ابی داؤد ایضا من طریق ھشام بن عروۃ عن ابیہ ان ابا بکر قال لعمر ولزید اقعدا علی باب المسجد فمن جاءکما بشاھدین علی شیئ من کتاب اللہ فاکتباہ -

عروہ بن زبیر کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر نے عمر اور زید سے کہا کہ تم دونو آدمی مسجد کے دروازہ پر بیٹھو اور قرآن مجید کی جس آیت پر دو گواہیاں حاصل ہو جائیں اُسکو درج کرلو (اتقان ج ۱ ص۶۰)

بہرحال خواہ پہلی صورت ہو یا دوسری یا تیسری یہ امر پایۂ ثبوت تک پہونچ گیا کہ آیات قرآن کے تسلیم کرنے میں شہادت عدلین کی شرط لگائی گئی تھی اور یہ امر قرآن کی جامعیت میں شبہہ پیدا کرنے کا باعث ہے -

طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امر مین پورا اہتمام تھا کہ قرآن مین کوئی
ایسی چیز درج نہونے پائے جو حقیقۃً قرآن کا جزو نہین ہے ۔ لیکن یہ امر اس قدر
مورد اہتمام نہ تھا کہ قرآن کی کوئی آیت رہ جانے بھی نہ پائے ورنہ کسی صحابی کے
قول کو صرف اس بنا پر رد نہ کردیا جاتا کہ اُس کے ساتھ کوئی دوسرا گواہی
دینے والا نہین ۔

اب بتاؤ کہ وہ تمام صحابہ جنکے قول کو انفراد کی بنا پر رد کردیا گیا تھا اس
قرآن کو ناقص سمجھتے تھے یا نہین جبکہ وہ صداقت کے ساتھ ایک ایسی آیت کو
جزو قرآن سمجھتے ہین جو اس قرآن مین درج نہین ۔

پھر کیا ایک ایسا مسلمان جو قرآن موجود مین زیادتی کا انکار اور اُس کے
ہر ہر جزو کے کلام خدا ہونے کا اقرار رکھتے ہوئے کہین کہین سے اُسکی بعض آیتون
کے متعلق یہ رائے رکھتا ہو کہ وہ درج ہونے سے رہ گئین ۔ کافر اور غیر مومن بالقران
سمجھا سکتا ہے ؟ اور کیا اس فتوائے کفر کی زد مین بہت سے صحابۂ کرام نہ آجائینگے ؟

جمع قرآن کے بعد

حضرت ابوبکر نے زید بن ثابت کے ہاتھون اُس صورت سے
جس کا تذکرہ ہوچکا قرآن مجید کتابی صورت مین جمع تو کرادیا
لیکن نشر و اشاعت کی ضرورت نہ سمجھی بلکہ جیسا کہ بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے
وہ کتاب اُنکے پاس محفوظ رہی اور پھر حضرت عمر نے اس کو اپنے پاس امانت رکھا
اور اُنکے انتقال پر اُنکی صاحبزادی حفصہ کے قبضہ مین آیا ۔ عام مسلمانون کے لئے

وہی صورت حال جو اسکے قبل تھی باقی رکھی گئی یعنے مختلف صحابہ قرآن مجید کے
متفرق حصون کو اپنے سینون مین اور مکتوبی صورت مین منتشر اجزا اپنے پاس
محفوظ رکھے ہوئے تھے اور وہی قرآن مجید کی تعلیم کے ذمہ دار اور اُسکی نگہداری
وحفاظت کے ضامن و متکفل تھے اور انمین سے بھی مخصوص صحابہ جو قرآن مجید کو غیر
مرتب حیثیت مین مکمل طور پر حفظ کئے ہوئے تھے انھون نے اپنے اپنے مذاق پر ترتیب کر
قرآن مجید کو مرتب و مدون بھی کیا۔

امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السّلام کے علاوہ جنکے جمع قرآن پر مبسوط
بحث مستقل طور پر کیجائے گی دیگر مستند مسلم صحابہ جنھون نے قرآن مجید کو اپنی
اپنی ترتیب کے مطابق جمع کیا تھا عبد اللہ بن مسعود۔ ابی بن کعب۔ معاذ بن
جبل تھے اور ابوموسیٰ اشعری نے بھی اپنے محفوظات کی بنا پر ایک قرآن جمع
کیا تھا جسے اہل بصرہ مین مقبولیت حاصل تھی اور وہ اُنکے اندر لباب القلوب
کے نام سے مشہور تھا (اعجاز القرآن مصنفہ شیخ مصطفےٰ صادق رافعی مطبوعہ
مصر ص ۳۱ و ۳۹)

اختلاف مصاحف

مذکورۂ بالا مصاحف جنھیں مختلف اشخاص نے اپنے اپنے
محفوظات پر جمع کیا تھا ان مین ترتیب کی حیثیت
سے اختلاف تھا جس کی تفصیلی کیفیت ابن اشتہ نے کتاب المصاحف مین
اور اُنھی سے حافظ سیوطی نے اتقان مین نقل کی ہے۔

	ترتیب مصحف موجود	ترتیب مصحف ابی	ترتیب مصحف ابن مسعودؓ
۱	حمد	حمد	
۲	بقرہ	بقرہ	بقرہ
۳	آل عمران	نسار	نسار
۴	نسار	آل عمران	آل عمران
۵	مائدہ	انعام	اعراف
۶	انعام	اعراف	انعام
۷	اعراف	مائدہ	مائدہ
۸	انفال	یونس	یونس
۹	برائت	انفال	برارت
۱۰	یونس	برارت	نحل
۱۱	ھود	ھود	ھود
۱۲	یوسف	مریم	یوسف
۱۳	رعد	شعرار	کہف
۱۴	ابراہیم	حج	بنی اسرائیل
۱۵	حجر	یوسف	انبیار
۱۶	نحل	کہف	طہ

۱۷	بنی اسرائیل	نحل	مومنون
۱۸	کہف	احزاب	شعرار
۱۹	مریم	بنی اسرائیل	صافات
۲۰	طٰہٰ	زمر	احزاب
۲۱	انبیار	طٰہٰ	حج
۲۲	حج	انبیار	قصص
۲۳	مومنون	نور	نمل
۲۴	نور	مومنون	نور
۲۵	فرقان	سبا	انفال
۲۶	شعرار	عنکبوت	مریم
۲۷	نمل	مومن	عنکبوت
۲۸	قصص	رعد	روم
۲۹	عنکبوت	قصص	یٰس
۳۰	روم	نمل	فرقان
۳۱	لقمٰن	صافات	حجر
۳۲	سجدہ	ص	رعد
۳۳	احزاب	یٰس	سبار

٣٤	سبا	حجر	فاطر
٣٥	فاطر	شوریٰ	ابراہیم
٣٦	یٰسین	روم	ص
٣٧	صافات	حدید	محمد
٣٨	ص	فتح	لقمان
٣٩	زمر	محمد	زمر
٤٠	مومن	تحریم	مومن
٤١	حٰم سجدہ	ملک	زخرف
٤٢	شوریٰ	سجدہ	سجدہ
٤٣	زخرف	نوح	شوریٰ
٤٤	دخان	احقاف	احقاف
٤٥	جاثیہ	ق	جاثیہ
٤٦	احقاف	رحمٰن	دخان
٤٧	محمد	واقعہ	فتح
٤٨	فتح	جن	حشر
٤٩	حجرات	نجم	حٰم سجدہ
٥٠	ق	معارج	طلاق

۵۱	ذاریات	مزمل	قلم
۵۲	طور	مدثر	حجرات
۵۳	نجم	قمر	ملک
۵۴	قمر	حم سجدہ	تغابن
۵۵	رحمن	دخان	منافقون
۵۶	واقعہ	لقمان	جمعہ
۵۷	حدید	جاثیہ	صف
۵۸	مجادلہ	طور	جن
۵۹	حشر	ذاریات	نوح
۶۰	ممتحنہ	قلم	مجادلہ
۶۱	صف	حاقہ	ممتحنہ
۶۲	جمعہ	حشر	تحریم
۶۳	منافقون	ممتحنہ	رحمن
۶۴	تغابن	مرسلات	نجم
۶۵	طلاق	نبأ	طور
۶۶	تحریم	قیامہ	ذاریات
۶۷	ملک	تکویر	قمر

٦٨	قلم	طلاق	واقعہ
٦٩	حاقہ	نازعات	نازعات
٧٠	معارج	تغابن[٥]	معارج
٧١	نوح	عبس	مدثر
٧٢	جن	تطفیف	مزمل
٧٣	مزمل	انشقاق	تطفیف
٧٤	مدثر	تین	عبس
٧٥	قیامہ	علق	دہر
٧٦	دہر	حجرات	مرسلات
٧٧	مرسلات	منافقون	قیامہ
٧٨	نبأ	جمعہ	نبأ
٧٩	نازعات	تحریم	تکویر
٨٠	عبس	فجر	انفطار
٨١	تکویر	بلد	غاشیہ
٨٢	انفطار	لیل	اعلیٰ
٨٣	تطفیف	انفطار	لیل
٨٤	انشقاق	شمس	فجر

عہ٥ اتقان کے مطبوعہ نسخہ میں یونہی ہے لیکن اس کے محتاج تصحیح ہونے میں شبہہ نہیں ١٢

۸۵	بروج	طارق	بروج
۸۶	طارق	اعلیٰ	انشقاق
۸۷	اعلیٰ	غاشیہ	علق
۸۸	غاشیہ	صف	بلد
۸۹	فجر	تغابن	ضحیٰ
۹۰	بلد	بیّنہ	طارق
۹۱	شمس	ضحےٰ	عادیات
۹۲	لیل	انشراح	ماعون
۹۳	ضحیٰ	قارعہ	قارعہ
۹۴	انشرح	تکاثر	بیّنہ
۹۵	تین	عصر	شمس
۹۶	علق	خلع	تین
۹۷	قدر	حفد	ہمزہ
۹۸	بیّنہ	ہمزہ	فیل
۹۹	زلزال	زلزال	قریش
۱۰۰	عادیات	عادیات	تکاثر
۱۰۱	قارعہ	فیل	قدر

۱۰۲	تکاثر	قریش	زلزال
۱۰۳	عصر	ماعون	عصر
۱۰۴	ھمزہ	کوثر	نصر
۱۰۵	فیل	قدر	کوثر
۱۰۶	قریش	کافرون	کافرون
۱۰۷	ماعون	نصر	تبت
۱۰۸	کوثر	تبت	اخلاص
۱۰۹	کافرون	اخلاص	الانشراح
۱۱۰	نصر	فلق	۰
۱۱۱	تبت	ناس	۰
۱۱۲	اخلاص	۰	۰
۱۱۳	فلق	۰	۰
۱۱۴	ناس	۰	۰

(اتقان ج ۱ صـ ۶۶)

مصحف حضرت علیؑ اور ترتیب نزول

مذکورۂ بالا اسلوب کہ جو مختلف صحابہ کی طرف سے جمع قرآن میں اختیار کئے گئے، تھے اس صورت کے یقیناً خلاف ہیں جس پر قرآن مجید نازل

کیا گیا تھا۔

اس لئے کہ بتصریح محققین سب سے پہلا سورہ جو جناب رسالتمآبؐ پر نازل ہوا ہے وہ سورۂ اقرأ تھا اور اسکے بعد مدثر۔ چنانچہ علامہ سیوطی اتقان مین تحریر کرتے ہین۔

اختلف فی اول ما نزل من القران علی اقوال احدھا وھو الصحیح اقرأ باسم ربك" اختلاف ہوا ہے کہ سب سے پہلے قرآن کا کون جزو نازل ہوا پہلا قول جو حقیقۃً صحیح ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلا نازل ہونے والا ٹکڑا اقرأ باسم ربك ہے۔ اور اسی کی تصدیق مین شیخین نے صحیحین کی حدیث کو نقل کیا ہے۔ (دیکھو اتقان ج ۱ ص ۲۴)

اور واحدی نے اپنی کتاب اسباب النزول (طبع مصر ص ۵) مین اول ما نزل من القرآن کے تحت مین لکھا ہے اقرأ باسم ربك الذی خلق عن عکرمۃ والحسن قالا اول ما نزل من القران بسم اللہ الرحمن الرحیم فھو اول ما نزل من القران بمکۃ واول سورۃ اقرأ باسم ربك۔ سورۃ المدثر اول ما نزل بعد سورۃ اقرأ

"عکرمہ اور حسن کا بیان ہے کہ سب سے پہلے جو آیت قرآن کی مکہ مین نازل ہوئی وہ بسم اللہ ہے اور سب سے پہلا سورہ اقرأ ہے اور اسکے بعد دوسرا سب سے پہلا سورہ مدثر ہے"

ص۳ اول سورة نزلت علی رسول اللہ ﷺ بمکۃ اقرأ باسم ربك
وآخر سورة نزلت علی رسول اللہ بمکۃ المومنون ویقال العنکبوت
واول سورة نزلت بالمدینۃ ویل للمطففین وآخر سورة نزلت
فی المدینۃ براءۃ

سب سے پہلا سورہ جو رسالت مآبؐ پر مکہ مین نازل ہوا "اقرأ" ہے
اور آخری سورہ جو مکہ مین اترا مومنون اور بقول بعض عنکبوت ہے اور
مدینہ مین سب سے پہلا سورہ ویل للمطففین اور آخری سورہ برارت ہے:
اب ان روایات کی مطابقت سے جب موجودہ ترتیب قرآن پر نظر
کرو تو تمھین بالکل عکس نظر آئیگا۔
سورۂ برارت جو سب سے آخری سورہ ہے وہ قرآن کی پہلی تہائی
مین اور اقرأ جو سب سے پہلا سورہ تھا وہ آخری پارہ مین اور مدنی سورتون
مین کا پہلا سورہ مطففین بھی اسی صورت سے آخر مین ڈالدیا گیا ہے اور اسطرح
موجودہ ترتیب کو کوئی مناسبت ترتیب نزول کیساتھ باقی نہین رہتی اور معلوم ہوتا ہے
کہ ان صحابۂ کرام کی نظر مین ترتیب نزول کی مراعات کوئی نسبت نہین رکھتی تھی۔
خود حضرت عائشہ ام المومنین نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے اُسوقت
جب ایک عراقی شخص نے آکر عرض کیا۔ "اے ام المومنین مجھ کو اپنا مصحف
دکھلائیے" فرمایا "کیون" کہا

لعلی اؤلف القرآن علیہ فانہ یقرأ غیر مؤلف" شاید مین اپنے قرآن کو کسی
کے موافق ترتیب دے لون اسلیئے کہ بحالت موجودہ وہ بلاترتیب پڑھا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ نے کہا وما یضرك ایہ قرأت قبل انما نزل اول ما
نزل منہ سورۃ من المفصل فیہا ذکر الجنۃ والنار حتی اذا ثاب الناس الی الاسلام
نزل الحلال والحرام ولو نزل اوّل شیئی لاتشربوا الخمر لقالوا لاندع
الخمر ابدا ولو نزل لاتزنوا لقالوا لاندع الزنا ابدا لقد نزل بمکۃ
علی محمد صلے اللہ علیہ وسلم وانی لجاریۃ العب بل الساعۃ موعدھم
والساعۃ ادھی وامر وما نزلت سورۃ البقرۃ والنساء الا وانا عندہ
قال فاخرجت لہا المصحف فاملت علیہا السور۔

" تو اُس مین حرج ہی کیا ہے، جو سورہ بھی پہلے پڑھ لیا جائے۔ سب سے پہلے
مفصل سورون مین سے ایک سورہ اُترا تھا جس مین بہشت و دوزخ کا تذکرہ
تھا یہان تک کہ جب لوگ کثرت سے اسلام کی طرف آ گئے تو حلال وحرام کے
احکام نازل ہوئے اور اگر پہلی ہی مرتبہ لاتشربوا الخمر نازل ہوجاتا تو لوگ کہدیتے
کہ ہم ہرگز شراب ترک نہ کرینگے اور اگر پہلے ہی یہ حکم آتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے
کہ ہم کبھی زنا نہ چھوڑینگے۔ مکہ مین رسالت مآب پر یہ آیت نازل ہوئی کہ بل الساعۃ
موعدھم والساعۃ ادھی وامر اُسوقت مین بچہ تھی اور کھیلتی پھرتی تھی اور
سورۂ بقرہ ونساء اُسوقت نازل ہوئے کہ جب میرا حضرت کے ساتھ عقد ہوچکا

تھا" اسکے بعد ام المومنین نے اپنا مصحف نکالا اور اسکے مطابق سورون کی فہرست لکھوادی (صحیح بخاری مطبوعہ کرزن پریس دہلی صفحہ ۷۴۷)

اس حدیث سے جس طرح قرآن موجود کا ترتیب نزول کے خلاف ہونا ظاہر ہے اسلئے کہ بل الساعۃ موعدھم الخ سورۂ قمر کی آیت ہے جو بحالت موجودہ ستائیسوین پارہ مین ہے اور وہ حضرت ام المومنین کے قول کے مطابق سورۂ بقر و نساء سے بہت پہلے نازل ہوئی تھی

اسی کے ساتھ یہ امر بھی نمایان ہے کہ موصوفہ کی نظر مین قرآن کی ترتیب کسی خاص تعبد و توقیف پر مبنی نہ تھی اور نہ وہ کسی خاص ترتیب کا پابند ... لئے وہ عراقی کی کاوش کو بلا ضرورت قرار دیتے ہوئے مایضرک ایۃ قرأت کہکر سور قرآن مین ترتیب کی مراعات کو ساقط کیے دیرہی ہے۔

براء بن عازب کی روایت بھی بخاری مین موجود ہے کہ تعلمت سبح اسم ربک قبل ان یقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ" مین نے سبح اسم ربک کو اسوقت یاد کیا ہے کہ جب رسالت مآب مدینہ مین ہجرت کر کے تشریف بھی نہ لائے تھے"

اس سے ظاہر ہے کہ سورۂ اعلی ہجرت کے قبل نازل ہو چکا تھا حالانکہ وہ بحالت موجودہ قرآن کے آخری پارہ مین نظر آرہا ہے۔

ترتیب آیات جس طرح سورون کی ترتیب اُس ترتیب سے مختلف ہے کہ جس پر قرآن نازل ہوا تھا اسی طرح آیات کا اگر لحاظ کیا جائے تو اُن مین بھی

ترتیب نزولی کا پتہ نہین ہی جس کے کئی ثبوت ہین۔

(پہلا ثبوت) مکی سورون کے بیچ مین مدنی آیتین اور مدنی سورون مین مکی
آیتین حالانکہ مکی و مدنی کی اصطلاح جس اصول پر قائم ہوئی ہے اُسکے مطابق
ترتیب نزولی کی مراعات کے ساتھ مکی و مدنی آیتون مین خلط و آمیزش ناممکن
ہو جاتی ہے۔

علامہ سیوطی تحریر فرماتے ہین اعلم ان للناس فی المکی والمدنی اصطلاحا
ثلثۃ اشہرہا ان المکی ما نزل قبل الہجرۃ والمدنی ما نزل بعدہا سواء
نزل بمکۃ ام بالمدینۃ عام الفتح او عام حجۃ الوداع ام بسفر من الاسفار
مکی و مدنی کے متعلق مختلف اصطلاحین ہین جنمین سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ مکی
وہ ہے جو قبل ہجرت نازل ہوا ہو اور مدنی وہ کہ جو بعد ہجرت خواہ مکہ مین نازل ہوا ہو
یا مدینہ مین سال فتح مکہ یا حجۃ الوداع یا کسی دوسرے سفر مین (اتقان ج ۱ صـ ۱)

اب عقلی حیثیت سے یہ امر تو ممکن ہی کہ کسی سورۃ کی ابتدائی آیتین مکی اور
آخری آیتین مدنی ہون لیکن اول کے مدنی ہونے کے ساتھ آخر کا مکی ہونا
یا اول و آخر مدنی کے ساتھ وسط مکی یا اول و آخر مکی ہونے کے ساتھ وسط کا
مدنی ہونا ترتیب نزول کے لحاظ سے ممکن نہین ہے لیکن اس کے ساتھ جب
ہم سورۂ قرآنی اور اُنکے آیات پر ائمۂ تفسیر و علمائے سیر و تاریخ کے بیانات کی روشنی
مین نظر ڈالتے ہین تو انمین ان تینون طرح کے نمونون کا ایک عالم نظر آتا ہی جسکا

اندازہ مندرجۂ ذیل فہرست سے ہوسکیگا۔

(۱) انعام یہ سورہ مکی ہے لیکن سات آیتین مدینہ مین نازل ہوئی ہین جو ایک ساتھ مذکور بھی نہین بلکہ انکے درمیان آیات مکیہ مخلوط ہین۔

" الذین آتیناھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم الذین خسروا انفسھم فھم لا یومنون اسکے قبل اور بعد آیتین مکی ہین اور یہ خود مدنی ہے پھر وما قدروا اللہ حق قدرہ اذ قالوا ما انزل اللہ علی بشر من شیئ الخ ابن ابی حاتم کی تصریح کے مطابق یہ آیت مالک بن صیف کے بارے مین نازل ہوئی ہے اور وہ مدینہ کا واقعہ ہے۔ اسکے بعد ایک آیت مکی ہے اور پھر ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا او قال اوحی الی ولم یوح الیہ شیئ الآیۃ اور اسکے بعد والی آیت یہ دونون مسیلمہ کذاب کے بارے مین نازل ہوئی ہین جسکے ادعائے نبوت کا زمانہ رسالتمآبؐ کی زندگی کے آخری دور مین تھا اور یہ بحالت موجودہ مکہ مین نازل ہونے والے سورۂ انعام کے وسطی حصہ مین مندرج ہین۔

پھر اواخر مین قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم سے تین آیتون تک یہ بھی مدینہ مین نازل ہوئی تھین جسکے متعلق حافظ سیوطی کا قول ہے قد صح النقل عن ابن عباس باستثناء قل تعالوا الآیات الثلث۔ لیکن اسکے بعد بارہ آیتین پھر مکہ کی نازل شدہ ہین۔

(۲) اعراف مکی سورہ ہے مگر واسألھم عن القریۃ التی کانت حاضرۃ البحر

دس آیتون تک مدینہ کی نازل شدہ ہین۔

(۳) انفال مدنی سورہ ہے مگر یا ایہا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المومنین مکہ مین نازل ہوا ہے۔

(۴) ھود مکی ہے لیکن تین آیتین مدنی ہین فلعلک تارک۔ افمن کان علی بینۃ من ربہ۔ اقم الصلوۃ طرفی النہار۔

(۵) رعد۔ اس مین یہ آیت ولایزال الذین کفروا تصیبہم بما صنعوا قارعۃ یقیناً مکی ہے اور اللہ یعلم کی آیت شدید المحال تک مدنی ہے اور باقی مین اختلاف ہے کہ وہ مکہ مین نازل ہوا ہے یا مدینہ مین۔

(۶) ابراہیم پورا سورہ مکی ہے لیکن الم تر الی الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا سے لیکر فبئس القرار تک دو آیتین مدینہ کی نازل شدہ ہے۔

(۷) حجر مکی سورہ ہے لیکن آیۂ ولقد علمنا المستقدمین منکم ولقد علمنا المستاخرین کا بلحاظ اُسکے شان نزول کے مدینہ مین نازل ہونا یقینی ہے

(۸) اسرای مکی ہے لیکن حسب ذیل آیات مدینہ کے نازل شدہ ہین یسئلونک عن الروح۔ وان کادوا لیفتنونک۔ قل لئن اجتمعت الانس والجن وما جعلنا الرویا۔ ان الذین اوتوا العلم من قبلہ

(۹) کہف۔ ابتدا کی آٹھ آتیین اور آخر کی چار مدنی ہین اور درمیان مین مکی لیکن اسمین بھی واصبر نفسک الخ مدینہ کی نازل شدہ ہی۔

(۱۰) مریم مکی ہے لیکن آیہ سجدہ اور ان منکم الا واردھا والی آیت
اسکے خلاف ہے۔

(۱۱) طٰہٰ کی سورہ ہے لیکن آیۂ فاصبر علی مایقولون الخ متفقہ طور
پر اس سے خارج سمجھی گئی ہے اور علامہ سیوطی کے خیال میں ایک آیت کو اور
مستثنیٰ ہونا چاہیئے اور وہ یہ ہے ولا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجا
منھم الخ اس لئے کہ یہ اپنے شان نزول کی بنا پر مدینہ کی نازل شدہ ہے۔

(۱۲) انبیاء مکی ہے مگر صرف یہ آیت افلا یرون انا نأتی الارض الخ
مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

(۱۳) حج کی سورہ ہے مگر [illegible] ھذان خصمان سے لیکر تین آیتوں
تک مدینہ کی نازل شدہ ہیں۔

(۱۴) مومنون [illegible] حتی اذا اخذنا مترفیھم سے مبلسون تک
جو چودہ آیتیں ہیں وہ تو مدینہ کی نازل شدہ ہیں باقی سورہ مکی ہے۔

(۱۵) فرقان والذین لا یدعون سے مہانا تک جو تین آیتیں ہیں مدنی
اور باقی سورہ مکی ہے۔

(۱۶) قصص مکی سورہ ہے صرف الذین آتیناھم الکتاب سے لا نبتغی
الجاھلین تک جو چار آیتیں ہیں وہ مدینہ کی نازل شدہ ہیں۔

اخرج الطبرانی عن ابن عباس انھا نزلت ھی و آخر الحدید فی

اصحاب النجاشی الذین قدموا وشهدوا وقعۃ الاحد
"طبرانی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ اور سورۂ حدید کا آخر
یہ پانچوں آیتین نجاشی کے ساتھ والون کے بارے مین نازل ہوئی تھین جو
آکر جنگ احد مین شریک ہوئے تھے (اتقان ص۱۶)
اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سورۂ حدید کا آخری حصہ ان چار آیتون
کے ساتھ ساتھ اترا تھا حالانکہ اب انکے درمیان ربع قرآن سے زیادہ کا فاصلہ ہے
(۱۷) عنکبوت شروع کی دس آیتین مدینہ کی نازل شدہ اور اس کے
بعد سے بقیہ حصہ مکی ہے۔
(۱۸) لقمان مکی سورہ ہے جس مین ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام
سے لیکر تین آیتون تک مدنی ہین۔
(۱۹) سجدہ اس مین افمن کان مومنا سے تین آیتون تک مدینہ مین
نازل ہوئی ہین اور بقیہ حصہ مکی لیکن اس مین بھی تتجافی جنوبھم والی آیت
شان نزول کی بنا پر مدینہ کی نازل شدہ ہے
(۲۰) یٰسٓ مکی سورہ ہے اس مین انا نحیی الموتی ونکتب ما قدموا
وآثارھم الخ مدینہ کا نازل شدہ ہے۔
(۲۱) زمر قل یا عبادی سے لیکر تین آیتون تک مدینہ کا نازل شدہ
اور بقیہ حصہ مکی ہے۔

(۲۲) مومن مکی سورہ ہے جس مین ان الذین یجادلون سے دو آیتین
مدینہ مین نازل ہوئی ہین۔

(۲۳) شوریٰ ام یقولون افتریٰ علی اللہ کذبا سے چار آیتون تک
مدینہ کی نازل شدہ اور اسکے قبل وبعد کی آیتین مکی ہین۔

(۲۴) زخرف مکی سورہ ہے لیکن واسئل من ارسلنا الخ اس سے
خارج ہے۔

(۲۵) جاثیہ مکی ہے اور اس مین قل للذین امنوا والی آیت مدنی ہے

(۲۶) احقاف مکی ہے لیکن اس مین قل ارایتم ان کان من عند
اللہ الخ خبر صحیح کی بنا پر مدینہ کی نازل شدہ ہے۔

(۲۷) قٓ مکی سورہ ہے لیکن ولقد خلقنا السموات والارض والی
آیت مدینہ مین نازل ہوئی ہے۔

(۲۸) نجم مکی ہے جس مین الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش
والی آیت مدینہ کی ہے۔

(۲۹) سورۂ رحمٰن مکیہ ہے مگر یسئلہ من فی السموات والارض الخ کی
آیت مدینہ مین نازل شدہ ہے۔

(۳۰) واقعہ مکی ہے لیکن دو مقام اسکے مدنی ہین۔ ۱ ثلۃ من الاولین
وثلۃ من الآخرین۔ ۲ فلا اقسم بمواقع النجوم سے لیکر آٹھ آیتون تک۔

(۳۱) مجادلہ مکی سورہ ہے لیکن ما یکون من نجوی ثلثۃ الخ مدنی ہے۔

(۳۲) تحریم شروع سے دس آیتین مدنی اور باقی مکی ہین۔

(۳۳) ن والقلم اس مین انا بلوناھم سے سترہ آیتون تک اور پھر فاصبر لحکم ربک سے تین آیتون تک مدنی ہین اور باقی ۳۲ آیتین مکی۔

(۳۴) دھر مکی سورہ ہے مگر فاصبر لحکم ربک والی آیت مدینہ کی نازل شدہ ہے۔

(۳۵) مرسلات مکی ہے لیکن اذا قیل لھم ارکعوا لا یرکعون اس سے خارج ہے۔

اسکے علاوہ بھی مختلف سورون مین اختلافی اقوال کی بنا پر خلط و آمیزش موجود ہے جن کو متفقہ حیثیت سے ثبوت بہم نہ پہونچنے کی وجہ سے ہم نے ترک کردیا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (اتقان سیوطی ج ۱ ص ۱۰-۱۱)

کیا اس کے بعد یہ امر قابل شک وشبہہ ہے کہ ترتیب آیات مین سلسلۂ تنزیل کا کوئی لحاظ نہین کیا گیا تھا اور آیات کو بغیر لحاظ تقدیم و تاخیر کے درج کردیا گیا ہے۔

(دوسرا ثبوت) قرآن مجید مین عدۂ وفات کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

والذین یتوفون منکم ویذرون — تم (مسلمانون) مین سے جن لوگون کا انتقال ہوجائے ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا — اور انکی بیویان موجود ہون تو انکی بیویون کیلئے

الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلاجناح علیکم فیما فعلن فی انفسہن من معروف واللہ عزیز حکیم۔

حکم ہے کہ سال بھر تک نان و نفقہ ملے اور وہ گھروں سے نہ نکلیں پھر جب (سال گذرنے پر) وہ نکلیں تو جو کچھ وہ اپنے بارے میں طرز عمل اختیار کریں تمھیں کوئی کام اس سے نہوگا اور خدا غالب و حکیم ہے۔

اس آیت میں ازواج کے لئے ایک سال تک عدہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن باجماع امت یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہے کہ

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسہن اربعة اشہر وعشرا فاذا بلغن اجلہن فلاجناح علیکم فیما فعلن فی انفسہن بالمعروف واللہ بما تعملون خبیر

تم (مسلمانوں) میں سے جن لوگوں کا انتقال ہو اور انکی بیویاں موجود ہوں تو وہ چار مہینہ دس دن تک اپنے تئیں روکے رکھیں جب وہ اس مدت کو پورا کرلیں تو پھر جو کچھ وہ اپنے بارے میں طرز عمل اختیار کریں تمھیں تعرض کا حق نہوگا اور خدا تمھارے اعمال پر مطلع ہے۔

اس آیت میں پہلے حکم کو منسوخ کرتے ہوئے عدہ کی میعاد چار مہینہ دس دن قرار دی گئی ہے اور یہی حکم وہ ہے کہ جو مسلمانوں میں معمول بہ ہے،

نسخ کے لغوی و اصطلاحی دونوں معنی کی بنا پر ناسخ و منسوخ میں ترتب فطری ہے یعنی یہ کہ منسوخ پہلے اور ناسخ بعد ہو لیکن مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں صورت

حال اسکے بالکل برعکس نظر آتی ہے یعنی قرآن مجید مین دوسری آیت پہلے اور پہلی آیت بعد ہے۔ دوسری دوسرے پارہ کے چودھوین رکوع مین اور پہلی اُسکے بعد پندرھوین رکوع مین ہے،

کیا نظم قرآن کے ترتیب نزول ہونے مین یہ صورت ہوسکتی تھی؟ ہرگز نہین بلکہ یہ یقینی طور پر اس امر کی دلیل ہے کہ جمع قرآن کو ترتیب نزول سے کوئی تعلق نہین ہے۔

(تیسرا ثبوت) خود قرآن مجید کے آیات مین عمیق نظر ڈالنے سے یہ بے ترتیبی نمایان صورت سے ظاہر ہوجاتی ہے جس کی چند مثالین ذیل مین درج کی جاتی ہین

پہلی مثال سورۂ انفال کے ابتدا مین جنگ بدر کا قصہ حسب ذیل الفاظ مین شروع کیا گیا ہے۔

كما اخرجك ربك من بيتك بالحق	اُسی صورت پر جس طرح پروردگار نے تمہین بالکل ٹھیک
وانّ فريقا من المومنين لكارهون	(مصلحت سے) تمہارے گھر سے (جنگ بدر مین) نکالا تھا اور
يجادلونك في الحق بعد ما تبين كانما	مومنین کا ایک گروہ اس سے ناخوش تھا، وہ لوگ حق
يساقون الى الموت وهم ينظرون و	ظاہر ہونے کے بعد بھی تم سے سچی بات مین جھگڑتے تھے گویا
اذ يعدكم الله احدى الطائفتين	وہ زبردستی موت کے منھ مین ڈھکیلے جا رہے ہین اور اسے
انها لكم وتودّون ان غير ذات	اپنی آنکھون سے دیکھ رہے ہین اور (یہ وہ وقت تھا)
الشوكة تكون لكم ويريد الله ان	جب خدا تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ (کفار مکہ کی) دو

يحق الحق بكلماته ويقطع دابر   جماعتون مین سے ایک تمھارے لئے ضروری ہو اور تم یہ چاہتے
الكافرين۔   تھے کہ کمزور جماعت تمھارے ہاتھ لگے اور خدا یہ چاہتا تھا کہ اپنی
باتون سے حق کو قائم کرے اور کافرون کی جڑ کاٹ ڈالے

اور بالکل اسی سیاق مین مسلمانون کی پریشانی اور خدا سے فریاد اور ملائکہ کا نصرت
پر نازل ہونے کے اثنا ان تمام واقعات کو بیان کیا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ
آیات جنگ بدر کے بعد نازل ہوئے ہین لیکن اسی کے بعد یہ آیت ہے۔

يا ايها الذين امنوا اذا لقيتم   اے ایمان لانیوالو جب کفار سے جنگ مین مقابلہ
الذين كفروا زحفا فلا تولوهم الادبار   ہو تو پیٹھ نہ پھیرنا اور جو اس دن اپنی پیٹھ
ومن يولهم يومئذ دبره الا   پھیریگا سوا اسکے کہ جنگ کے واسطے کترائے یا دوسری
متحرفا لقتال او متحيزا الى فئة   جماعت کے پاس جانے کے لئے ہٹے تو وہ خدا کے غضب
فقد باء بغضب من الله و   مین گرفتار ہوگا اور اس کا ٹھکانا جہنم مین ہے
ماوله جهنم وبئس المصير   اور وہ کیا برا ٹھکانا ہے۔

یہ تہدیدی آیت یقیناً جنگ کے قبل کی ہے اور اس کو جنگ ختم ہونے کے بعد
والے آیات سے کوئی تعلق نہین ہے،

اسکے بعد پھر ایک مرتبہ سلسلہ قبل والے سیاق سے ملجاتا ہے کہ

فلم تقتلوهم ولكن الله قتلهم وما   تم نے (اے مسلمانو) اُنھین قتل نہین کیا بلکہ ہم نے قتل کیا اور
رميت اذ رميت ولكن الله رمى   تم نے (اے رسول) اُنکی طرف سنگریزے نہین پھینکے بلکہ خدا نے پھینکے تھے

یہ بھی جنگ کے بعد کی آیت ہے جو جنگ کے انجام کو قصہ ماضی کی صورت میں بیان کر رہی ہے۔

پھر غیر متعلقہ آیات کے بعد جن میں اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں سورہ کے اواخر میں یہ آیت نظر آتی ہے۔

یا ایہا النبی حرض المومنین	اے پیغمبر تم مومنین کو جنگ پر آمادہ کرو اور کہو کہ
علی القتال ان یکن منکم عشرون	اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم ہوں تو تمھیں
صابرون یغلبوا مائتین وان	دو سو پر غالب آ جانا چاہیے اور اگر سو ہوں تو وہ
یکن منکم مائۃ یغلبوا الفا من	ایک ہزار کافروں پر غالب آئیں اس لئے کہ وہ لوگ
الذین کفروا بانھم قوم لا یفقھون	نا سمجھ ہیں۔

قال الحسن ان التغلیظ کان علی اھل بدر ثم جاءت الرخصۃ۔

حسن نے کہا ہے کہ یہ سخت حکم اہل بدر کیلئے تھا پھر اس حکم کو آسان کر دیا گیا۔ اس بنا پر یہ آیت جنگ بدر سے پہلے اور دوسری آیت جس میں اس حکم کو منسوخ کیا گیا ہے وہ اس کے بعد نازل ہوئی ہے۔ ناسخ و منسوخ دونوں آیتوں کا ایک ساتھ ہونا آئین نسخ کے خلاف ہے لیکن قرآن مجید میں یہ دونوں آیتیں حالات جنگ بدر کے بعد پہلو بہ پہلو موجود ہیں۔

دوسری مثال، سورہ عنکبوت میں ابراہیم خلیل الرحمن کا تذکرہ اس طرح شروع ہوا ہے۔

وابراهیم اذ قال لقومہ اعبدوا اللّٰہ واتقوہ یہان سے لیکر دو آیتون تک قصہ ابراہیم سے متعلق ہین جنمین ابراہیم کی گفتگو اپنی قوم سے نقل کی گئی ہے کہ ابراہیم نے کہا۔

"خدا کی عبادت کرو اور اُس سے ڈرتے رہو یہی تمھارے لئے بہتر ہے۔ تم خدا کو چھوڑ کر بتون کی پرستش کرتے ہو اور جھوٹی باتین بناتے ہو یہ کہ جنکی تم عبادت کرتے ہو تمھاری روزی پر اختیار نہین رکھتے تو پھر تم خدا ہی سے روزی مانگو اور اُسی کی عبادت کرو اور اُس کا شکر ادا کرو اور اُسی کی طرف تم پلٹ کر جاؤ گے"

اسکے بعد دیکھنے والے کی نظر صبر آزما جستجو رکھتی ہو گی کہ اس کا جواب قوم ابراہیم نے کیا دیا لیکن قرآن مجید مین یہ دیکھکر تعجب ہو گا کہ اسکے بعد چھ آیتین بالکل غیر متعلقہ ہین جنکو اس قصہ سے کوئی تعلق نہین اور اُسکے بعد یہ آیت ہے کہ فما کان جواب قومہ الّا ان قالوا اقتلوہ او حرّقوہ الخ کہ جس کو لفظی و معنوی اتصال پہلی دو نون آیتون کے ساتھ ہے اور اُس مین قوم کا جواب ابراہیم کو فائے تفریع کے ساتھ نقل کیا ہے جو اُسکے ارتباط کا پہلی آیتون سے ضامن ہے لیکن افسوس کہ موجودہ صورت جمع و تدوین نے اس اتصال کو افتراق سے بدل کر قرآن کی بلاغت کو دھکا پہونچا دیا۔

تیسری مثال۔ سورۂ لقمان مین لقمان کے نصائح ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

واذ قال لقمان لابنہ وھو یعظہ (وہ وقت یاد کرو) جب لقمان نے اپنے بیٹے سے اسکو نصیحت

یا بنیّ لا تشرک باللہ ان الشرک — کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا خبردار کسی کو خدا کا شریک نہ

لظلم عظیم — بنانا اسلئے کہ شرک یقینا بڑا سخت گناہ ہے

یا بنیّ انہا ان تک مثقال حبۃ من — بیٹا اس میں شک نہیں کہ عمل اگر رائی کے دانہ کے

خردل فتکن فی صخرۃ او فی السموات — برابر بھی ہو اور وہ کسی سخت پتھر کے اندر یا آسمانوں

والارض یات بہا اللہ ان اللہ — میں یا زمینوں میں ہو تب بھی اُسکو حساب کے لئے

لطیف خبیر — خدا سامنے لا ئیگا اور خدا بڑا باریک بین و خبردار ہے

یہ دونوں آیتیں دست و گریبان ہیں اور جس طرح بعد کی آیتیں وصایائے لقمان میں بالکل سلسلہ دار ہیں اُسی طرح معنوی ارتباط کی بناء پر یہ دونوں آیتیں بھی ایک دوسرے سے وابستہ ہیں لیکن صورت یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان میں دو آیتیں بالکل غیر متعلق موجود ہیں۔

ووصّینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وھنا علی وھن الخ جو نہ وصایائے لقمانی میں داخل ہیں اور نہ لقمان کا کلام اور نہ قصہ لقمان سے وہ کوئی ربط رکھتی ہیں پھر جب اس مقام پر یہ نمونہ واضح طور پر موجود ہے کہ ایسی دو آیتوں کے درمیان میں جو ایک کلام کی جزو اور ایک سلسلہ کی دو کڑیاں ہیں غیر متعلق آیتوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے جس نے واقعہ کی بے ساختگی اور کلام کے تسلسل اور بیان کے ارتباط کو غیر معمولی صدمہ پہونچا دیا ہے تو پھر کیوں نہ اسی نوعیت کی۔

چوتھی مثال اس کو سمجھ لیا جائے کہ سورۂ احزاب میں ازواج نبی کی متعلقہ آیتوں میں

جنمیں صریحی طور سے یا نساء النبی کہکر انکو مخاطب کیا گیا ہے ایک ٹکڑا متعلقہ آیت درج کر دی گئی ہے جو لفظاً و معنیً دونوں کے اعتبار سے ازواج والی آیتوں سے مغایرت رکھتی ہے یعنی انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا خصوصاً جبکہ مستند آثار و احادیث کے ذریعہ سے اس کا خاص وقت میں علیحدہ اُترنے کے متعلق نازل ہونا بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے بجائے ازواج کے ذکر کے مخصوص

ان تمام اشتباہات و نظائر اور انکے قیاسات پر نظر کرنے والے ادنیٰ و شناسا کو بھی یہ بات یقینی ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب میں اغلباً شان نزول کے لحاظ سے بے ترتیبی و انتشار پایا جاتا ہے وہ اصل صورت نزول سے کہیں زیادہ ہے۔

خوش عقیدہ حضرات اس انتشار کی ذمہ داری خدا و رسول پر عائد کرتے ہیں انکا خیال ہے کہ قرآن مجید کا نزول غیر ترتیب صورت سے تھا جس طرح کہ متفرق طور پر آیات نازل ہوتے تھے۔ پیغمبر رسالتمآب جبرئیل امین کی ہدایت سے ان آیتوں کو مختلف سوروں پر تقسیم فرما دیتے تھے کہ یہ آیت اس سورہ سے متعلق ہے اور یہ آیت اُس دوسرے سورہ سے۔

اور اس طرح یہ صورت کہ جس پر موجودہ قرآن کی ترتیب ہوئی ہے لوح محفوظ والی ترتیب قرآن سے مطابق ہے۔

اور اس کے ثبوت میں متعدد روایات کا حوالہ دیا جاتا ہے جنکو علامہ سیوطی نے اتقان ج ۱ ص ۶۲ ۶۳ میں درج کیا ہے۔

(۱) زید بن ثابت کی روایت کنا عند النبی صلے اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع ہم لوگ جناب رسالتمآبؐ کی خدمت مین قرآن مجید کو مختلف پرزون سے جمع کیا کرتے تھے۔

جس کو حاکم نے مستدرک مین نقل کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ اس روایت سے یہ نہین ثابت ہوتا کہ وہ جمع و تالیف ترتیب نزول کے خلاف تھی۔

(۲) وہ حدیث جس کو احمد، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان، حاکم نے ابن عباس سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہین کہ مین نے عثمان سے کہا "یہ تم لوگون کو کیا ہوگیا تھا کہ تم نے انفال کو جو مثانی سے ہے اور برارت کو جو سومئین سے ہے قرآن مین ملاکر لکھدیا اور اُسکے درمیان مین بسم اللہ بھی نہین لکھی اور پھر ان دونون کو سبع طوال مین درج کردیا۔"

حضرت عثمان نے جواب دیا کہ "جناب رسالتمآبؐ پر مخصوص تعداد کے سورے نازل ہوا کرتے تھے تو جب کوئی آیت اترتی تھی آپ اپنے کاتبان وحی مین سے کسی کو بلاکر فرماتے تھے کہ ان آیات کو اُس سورہ مین درج کرو جس مین ایسا ایسا مضمون ہے۔ اور انفال اُن ابتدائی سورون مین سے ہے جو مدینہ مین نازل ہوئے تھے اور برارت سب سے آخر مین اترا تھا اور اس مین جو واقعہ مذکور ہے وہ پہلے سورہ کے مضمون سے ملتا جلتا ہوا ہے اس بنا پر مجھے گمان ہوا کہ یہ اُسی پہلے سورہ کا جزو ہے اسکے بعد جناب رسالتمآبؐ کا انتقال ہوگیا اور حضرت نے ہم کو نہین بتلایا کہ یہ حقیقۃً اُس

سورہ کا جز ہے لہذا مین نے ان دونون کو ملاکر لکھدیا اور بسم اللہ ان دونون کے درمیان مین درج نہین کی اور اسکو سبع طوال مین داخل کردیا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسالت مآبؐ کسی آیت کے مقام کو تعیین کے ساتھ نہین تبلاتے تھے - بلکہ یہ فرماتے تھے کہ جس سورہ مین ایسا ایسا مضمون مذکور ہے وہان درج کردو یعنی آیات کی ترتیب مین مضمون کی مناسبت کا لحاظ ضروری تھا - اب اُن آیات کو کیا کہا جائے جو مضمون کے اعتبار سے بے جوڑ ہونے کے باوجود پہلو بہ پہلو موجود ہین اور ایک مسلسل واقعہ کے بیچون بیچ غیر متعلقہ آیات نظر آتی ہین کیا اسکے ذمہ داری اُن کاتبان وحی کے سر ہے جنکو رسالتمآبؐ اس امر کا ذمہ دار بنائے ہوئے تھے یا کسی اور پر۔

(۳) وہ حدیث جس کو امام احمد نے عثمان بن ابی العاص سے نقل کیا ہے کہ مین حضرت رسولؐ کی خدمت مین بیٹھا تھا کہ ایک مرتبہ آپ نے نظر جما کر دیکھا اور پھر نظر بلند کی اور فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے تھے اور انھون نے ہدایت کی ہے کہ مین اس آیت کو اس سورہ مین اس جگہ پر رکھدون اور وہ آیت یہ ہے ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی الخ

(۴) بخاری نے ابن زبیر کی زبانی نقل کیا ہے کہ مین نے حضرت عثمان سے کہا والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا والی آیت کو دوسری آیت نے منسوخ کردیا ہے پھر آپ اس کو لکھتے اور اس کو ترک کیون کرتے ہین؟ حضرت عثمان نے کہا

یا ابن اخی لا اغیر شیئا منہ من مکانہ فرزند برادر مین اس مین سے کسی چیز کو اسکی جگہ سے نہین ہٹاؤنگا۔

اس سے حافظ سیوطی نے یہ مطلب نکالنا چاہا ہے کہ وہ بالکل حضرت رسولؐ کی قرارداد کے پابند تھے اور جو آیت جس جگہ رکھدی گئی تھی اُس سے ہٹانا منظور نہ تھا لیکن درحقیقت یہ مطلب ان الفاظ سے کوئی تعلق نہین رکھتا۔ بات یہ ہے کہ حضرت عثمان نے اختلافات سے عاجز آکر تمام لوگون کو ایک قرآن کا پابند بنانے کیلئے زید بن ثابت کے جمع کردہ قرآن کے سوا دوسرے صحابہ کے مصاحف کو نذر آتش کرا دیا تھا اور اس قرآن کے سات نسخے لکھوا کر تمام عالم اسلام کے اطراف مین روانہ کر دیئے تھے جسکے تفاصیل کے لئے آیندہ کا انتظار کرنا چاہیئے تو ابن زبیر کی اس خوردہ گیری پر انھون نے جواب دیا کہ اب مین اس کے ایک حرف کو بھی اُس کی جگہ سے نہ ہٹاؤنگا کیونکہ اس سے میری محنت اکارت ہو جائیگی۔

ان الفاظ کو ترتیب آیات کے توقیفی ہونے سے کوئی تعلق نہین ہے۔

(۵) صحیح مسلم کی حدیث حضرت عمر سے کہ مین برابر رسالتمآبؐ سے کلالہ کے معنی پوچھا کرتا تھا آخر حضرت نے (غصہ سے) اپنی انگلی میرے سینہ مین بھونک کر ارشاد فرمایا

تکفیک آیۃ الصیف التی فی اخر سورۃ النساء

"تمھارے لئے کافی ہے سورۂ نساء کے آخر والی آیت"

(۶) وہ احادیث جنمین مختلف سورون کا نام لیکر انکے ابتدا یا انتہا کے آیات

کی تلاوت کا ثواب بیان کیا گیا ہے یا مختلف نمازون مین رسالتمآب صلعم کا ان سورون کو پڑھنا نقل ہوا ہے۔

لیکن درحقیقت اس مین کوئی شبہہ نہین ہو کہ قرآن مجید جناب رسالتمآب صلعم کے وقت ہی مین اور نزول کے زمانہ ہی سے سورون کی صورت مین منقسم تھا اور ان سورون کے اسمار بھی تھے اور انکے آیات بھی جداگانہ تھے جس کا ثبوت ان تمام احادیث سے ہوتا ہو کہ جنمین جناب رسالتمآب نے خاص خاص سورون کا حوالہ دیکر بعض احکام بیان فرمائے ہین مگر تنقیح طلب یہ مسئلہ ہے کہ ان سورون کی ترتیب کیا موجودہ ترتیب کے مطابق تھی جس مین اول کی آیت آخر اور آخر کی آیت اول مین ہے یا کچھ اور؟ اس سوال کا جواب مذکورۂ بالا احادیث مین سے کسی سے بھی نہین نکلتا بلکہ اس کے برخلاف اعلم التابعین سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حبر الامۃ ترجمان القرآن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم لا یعرف ختم السورۃ حتی ینزل علیہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"حضرت رسول کو اسوقت معلوم ہوتا تھا کہ سورہ ختم ہو گیا جس وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوتی تھی۔"

دوسری روایت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہو کنا لا نعلم فصل ما بین السورتین حتی ینزل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

"ہم کو دو سورون کا فاصلہ معلوم نہوتا تھا جب تک کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نازل شدہ ہوتی تھی۔

ان دونوں روایتوں کو مشہور و مسلم الثبوت مفسر امام واحدی نے کتاب اسباب النزول (مطبع مصر صفحہ ۱۱) میں درج کیا ہے اور ان دونوں روایتوں سے صاف ظاہر ہے کہ ایک بسم اللہ نازل ہونے کے بعد دوسری بسم اللہ نازل ہونے تک جو کچھ اترتا تھا وہ ایک سورہ سمجھا جاتا تھا اور اس بسم اللہ سے لیکر تیسری بسم اللہ کے اترنے تک تیسرا سورہ اور علیٰ ہذا القیاس۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیات کی ترتیب اور سوروں کا انقسام براہ راست سلسلۂ تنزیل کے مطابق تھا اور اس میں الٹ پھیر کو دخل نہ تھا اور موجودہ ترتیب تو کوئی تعلق سورہ و آیات کی مقررشدہ ترتیب کے ساتھ نہیں ہے۔

دیگر بلکہ مستند محدثین کی مرویات میں ایسے روایات پائے بھی جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ جمع و تدوین کے سلسلہ میں کسی توقیف و قرارداد کی پابندی نہیں کی گئی تھی چنانچہ حافظ سیوطی نقل کرتے ہیں۔ اخرج ابوداؤد فی المصاحف من طریق محمد بن اسحٰق عن یحیی بن عباد عن عبد اللہ بن الزبیر عن ابیہ قال اتی الحارث بن خزیمۃ بھاتین الآیتین من آخر سورۃ براءۃ فقال اشہد انی سمعتہما من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووعیتہما فقال عمر وانا اشہد لقد سمعتہما ثم قال لو کانت ثلث آیات لجعلتہا سورۃ علی حدۃ فانظروا آخر سورۃ من القرآن فالحقوہا فی آخرہا۔

مشہور حافظ حدیث ابن ابی داؤد نے باسناد خود زبیر بن العوام سے روایت کی ہے کہ حارث بن خزیمہ موجودہ سورۂ برات کی دونون آخری آیتین لقد جاءکم رسول الخ لیکر آئے اور کہا مین گواہی دیتا ہون کہ مین نے رسالتمآب کو انھین پڑھتے ہوئے سنا ہے اور یاد کیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا مین گواہی دیتا ہون کہ مین نے ان دونون آیتون کو حضرت کی زبان سے سنا ہے۔ پھر حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر یہ تین آیتین بھی ہوتین تو مین انھین مستقل سورہ قرار دے دیتا اب کسی سورہ کے آخر مین دیکھکر انکو اس مین ملحق کر دو،

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر اس روایت کی وجہ سے بڑے شش و پنج مین پڑ گئے ہین اور سیوطی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

یعارضہ ما اخرجہ ابن ابی داؤد ایضا من طریق ابی العالیۃ عن ابی بن کعب انھم جمعوا القرآن فلما انتھوا الی الایۃ التی فی سورۃ براءۃ ثم انصرفوا صرف اللہ قلوبھم بانھم قوم لایفقھون ظنوا ان ھذا اٰخر ما انزل فقال ابی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقرأنی بعد ھذا ایتین لقد جاءکم رسول الی آخر السورۃ۔

"اس حدیث کے معارض ہے وہ جس کو خود ابن ابی داؤد نے ابو العالیہ کے طریق سے ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ صحابۂ کرام نے قرآن جمع کیا تو جب اس آیت تک پہونچے جو سورۂ برات مین ہے کہ ثم انصرفوا صرف اللہ قلوبھم بانھم

قوم لا یفقہون تو خیال ہوا کہ یہ سب سے آخری آیت ہے جو رسالت مآب پر نازل ہوئی تھی، ابی نے کہا کہ مجھ کو رسالتمآب نے اسکے بعد دو آیتین اور پڑھا ئی تھین کہ لقد جاءکم رسول الخ"

لیکن افسوس ہے کہ جب اس حدیث کے متن پر نظر ڈالی جاتی ہے تو وہ ایسی کمزوریون پر مشتمل ہے جن کی بنا پر وہ خود اپنی صحت و اعتبار کو سنبھال نہین سکتا۔ دوسری روایت سے معارضہ کر سکنا کیا معنی رکھتا ہی؟

پہلے تو تمام صحابہ کا یہ خیال کرنا کہ ثم انصرفوا صرف اللہ قلوبہم والی آیت بالکل آخری ہے اور ابی کا صرف اس امر کو ظاہر کرنا کہ اسکے بعد دو آیتین اور ہین اس امر کا صاف مظہر ہے کہ ان دونون آیتون میں ابی بن کعب متفرد تھے پھر صرف اُن کی گواہی پر یہ دونون آیتین قرآن مین درج کیونکر ہوگئین جبکہ مقررہ اصول کے مطابق جب تک دو گواہ موجود نہوتے کسی آیت کو درج قرآن نہ کیا جاتا تھا یہان تک کہ اس معاملہ مین حضرت عمر کی شخصیت کا لحاظ نہ کیا گیا اور اُنکی گواہی کو اس بنا پر مسترد کر دیا گیا کہ وہ اپنی گواہی مین تنہا تھے اور کوئی اُنکے ساتھ نہ تھا۔

اور پھر بقول ان حضرات کے زید بن ثابت صاحب عرضہ اخیرہ تھے یعنی آخری مرتبہ جو جبرئیل امین کے ساتھ قرآن کا مقابلہ ہوا تھا اس مین یہ شریک تھے اور ابی بن کعب بیچارے اس شرف سے محروم بلکہ وہ قدیم نازل شدہ

قرآن کی تعلیم حاصل کئے ہوئے تھے اور اسی بنا پر جمع قرآن کے لئے ابی کو
چھوڑ کر زید بن ثابت کو منتخب کیا گیا تو پھر ایک ایسی آیت جس پر زید مطلع
نہ تھے۔ ابی بن کعب کی گواہی پر درج کیونکر کر دی گئی۔ کیا اس میں یہ شبہہ
نہ ہو سکتا تھا کہ وہ منسوخ التلاوۃ ہو اور اسی وجہ سے عرضۂ اخیرہ والے زید
بن ثابت کے وہ گوش گذار نہ ہوئی۔

اس کے علاوہ ان لوگوں کو اس آیت کے متعلق یہ خیال پیدا ہوا تھا
کہ وہ رسالت مآب پر سب کے بعد نازل ہوئی ہے لیکن ابی بن کعب نے بتلایا
کہ نہیں رسالتمآب صلعم نے مجھ کو دو آیتیں اور اسکے بعد یاد کرائی ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابی بن کعب کے نزدیک قرآن کی اصل ترتیب
تاریخ نزول کے مطابق تھی ورنہ اس آیت کے بعد دو آیتوں کا یاد کرانا
کبھی اس امر کی دلیل نہ ہوتا کہ انکے قبل والی آیت سلسلۂ تنزیل کے اعتبار
سے بھی آخری نہیں ہے۔

اور پھر جبکہ طریقۂ جمع و تالیف والی احادیث سے درایتہً یہ امر ناممکن
معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ ترتیب میں اصلی سلسلۂ ترتیب، نظم و نسق محفوظ رہا
ہو اسلئے کہ زید بن ثابت نے کہ جو جمع قرآن کے ذمہ دار قرار دیئے گئے تھے یہ کہا ہے
کہ کنت اجمعہ من الرقاع والعسب واللخاف و صدور الرجال یعنی میں آیتوں کو
کاغذ کے پرزوں، درخت کی چھالوں، پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے

جمع کرتا تھا جس سے صاف ظاہر ہے کہ آیات قرآن مجتمع و منتظم صورت مین موجود ہی نہ تھے اور نہ اُس طرح کسی سینہ کے اندر محفوظ تھے۔ پھر اگر حقیقۃً اُن آیات کے اندر کوئی ترتیب قائم تھی بھی تو اُس ترتیب کی پابندی اس صورت سے جمع و تالیف مین کیونکر ممکن ہے بلکہ فطرۃً لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آخر کا اول اور اول کا آخر ہوجائے اور اس طرح موجودہ ترتیب کی ذمہ داری کسی طرح خدا و رسول پر عائد نہین ہوسکتی۔

اگر غور کیا جائے تو ترتیب نزول کو سور و آیات قرآن کی افادی حیثیت مین بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ فلسفۂ تاریخ کی خبر رکھنے والے اس امر کا اندازہ رکھتے ہین کہ واقعات کے تسلسل کو اُنکی نوعیت سمجھنے مین کتنا بڑا دخل ہوتا ہے اور واقعات کے اُلٹ پلٹ ہوجانے سے اکثر باتوں کی تہ تک پہونچنے مین کیسی رکاوٹین پیدا ہوجاتی ہین۔

درحقیقت بہت سے اختلافات جو آیات قرآن کے معانی مین پائے جاتے ہین وہ اسی ترتیب نزول کے برقرار نہونے کا نتیجہ ہین اسی بنا پر حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سب سے بڑے رازدار اور مصالح تنزیل کے سب سے زائد باخبر امیرالمومنین علی بن ابی طالبؑ نے اس ضرورت کا احساس کیا اور اس اہم خدمت کی ذمہ داری اپنے اوپر لیکر قرآن مجید کو نزول کے مطابق جمع فرمایا جس کو علامہ سیوطی نے

اس طرح لکھا ہے کہ فمنہم من رتبہا علی النزول وہو مصحف علی کان اولہ اقرأ
ثم المدثر ثم ن ثم المزمل ثم تبت ثم التکویر وھکذا الی آخر المکی والمدنی
صحابیوں سے بعض نے اس کو نزول پر مرتب کیا اور وہ علی کا مصحف ہے جس کی
ابتدا اقرا سے ہے اور اسکے بعد مدثر اور پھر قلم اور پھر مزمل پھر تکویر اور اسی صورت پر آخر تک
مکی و مدنی سورے ترتیب وار درج ہیں (اتقان ج ۱ ص ۶۳. ۶۴)

اور حقیقۃً یہ کام سوائے امیر المؤمنین کے اور کوئی انجام بھی نہ دے سکتا تھا۔
اس لئے کہ عہد رسالتمآب میں قرآن کے آیات جو لکھے جاتے تھے وہ کاغذ کے
پرزوں اور درخت کی چھالوں اور پتھر کے ٹکڑوں پر جنکا مرتب باصورت سے کسی
مقام پر محفوظ ہونا ناممکن تھا اور صحابہ کرام جو قرآن مجید یاد کرتے تھے وہ بھی کسی ترتیب
کے ساتھ نہ تھا جسکا اعتراف علامہ شیخ مصطفی صادق رافعی نے اپنی کتاب اعجاز القرآن
میں کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

کان القرآن مرتب الآیات غیر انہ لم یکن مجموعا بین دفتین فلا یصح
ان یضطرب شئ مجموعہ فی ایدی الناس باضطراب القطع التی کتب
فیہا تقدیما او تأخیرا ولم یلزم الناس القرأۃ یومئذ بتوالی السور وذلک
ان الواحد منہم اذا حفظ سورۃ او کتبہا ثم خرج فی سریۃ فنزلت سورۃ
اخری فانہ کان اذا رجع یأخذ فی حفظ ما ینزل بعد رجوعہ وکتابتہ
ویتتبع ما فاتہ علی حسب ما تسہل لہ الکثرۃ او اقلہ فمن ثم یقع فیما یکتبہ تلحین

المقدم وتقدیم المؤخر۔

"قرآن کے آیات بجائے خود ترتیب رکھتے تھے لیکن وہ کسی ایک شیرازہ میں منسلک نہ تھے لہذا یہ اطمینان نہ ہو سکتا تھا کہ اسی نظم و نسق لوگوں کے ہاتھ میں اُن ٹکڑوں کے اُلٹ پلٹ ہو جانے کی وجہ سے جن پر آیات درج تھے بدل نہ جائیگا اور پھر اُس زمانہ میں لوگ ترتیب کے ساتھ سورتوں کے حفظ پر بھی مامور نہ تھے بلکہ صورت یہ تھی کہ ایک شخص انہیں سے جب کوئی سورہ یاد کرتا تھا یا اُس کو اپنے پاس لکھتا تھا اور اسکے بعد اُس کو کسی معرکہ میں جانیکا اتفاق ہو جاتا تھا تو اس دوران میں بھی کچھ نہ کچھ آیات قرآن اور سورے نازل ہوتے تھے جب وہ صحابہ واپس آتے تھے تو اب وہ اُن آیات کو جو تازہ نازل ہوتی تھیں یاد کرنا اور لکھنا شروع کر دیتے تھے اور باقی ماندہ مقدار کو تھوڑا تھوڑا اپنے پاس لکھتے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے اُنکے مکتوبہ آیات میں اول کا آخر اور آخر کا اول ہو جایا کرتا تھا۔

(اعجاز القرآن طبع مصر صفحہ ۴۳)

اس طرح ان صحابہ کے لیئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ قرآن مجید کو سلسلہ تنزیل کے مطابق یاد کریں اور پھر جبکہ ان میں سے کوئی کوئی آیات قرآن کے نزول کے موقع پر برابر موجود بھی نہ تھا۔ بلکہ انہیں سے اکثر ہجرت کے بعد اسلام لانیوالے تھے جنکی غیبت میں کثیر حصہ قرآن مجید کا نازل ہو چکا تھا اور انھیں اطلاع بھی نہ تھی کہ کون آیت کب اور کس موقع پر نازل ہوئی اسکے لیئے تو ایک ایسے ہی شخص کی ضرورت تھی جو سالہا سال

کے پاس اوائل زمانۂ بعثت سے اس طرح ساتھ رہا ہو جیسے جسم کے لئے سایہ اور سفر و حضر، تنہائی میں اور مجمع میں آپ کا ہم نفس رہا ہو جس کی تعلیم کا بذاتِ خود حضرت کو اتنا خیال ہو .... جس کی تصویر کشی شاگرد نے ان الفاظ سے کی ہو اذا سألت اجابنی و اذا نطقت ابتدانی "جب میں دریافت کرتا تھا تو جواب دیتے تھے اور جب میں چپ رہتا تھا تو خود سے مجھ کو تعلیم فرماتے تھے" جس کا دعویٰ یہ ہو کہ واللہ ما نزلت آیۃ الا وقد علمت فیما نزلت و این نزلت وعلیٰ من نزلت ان ربی وھب لی قلبا عقولا ولسانا ناطقا "خدا کی قسم کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر یہ کہ میں جانتا ہوں وہ کاہے میں اور کہاں اور کس کے متعلق نازل ہوئی خدا نے مجھ کو باخبر دل اور گویا زبان عطا کی ہے"

یا یہ کہ سلونی عن کتاب اللہ فانہ لیس من آیۃ الا وقد عرفت بلیل نزلت ام بنہار ام فی سھل ام فی جبل "مجھ سے کتاب خدا کے متعلق سوال کرو اس لیے کہ کوئی آیت نہیں مگر یہ کہ میں جانتا ہوں وہ شب کو نازل ہوئی یا دن کو، سہل میں یا جبل میں دونوں روایتوں کے لیے ملاحظہ ہو (تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۱۸۵ بحوالہ طبقات ابن سعد)

اسی بنا پر حضرت کا اس فرض کو ادا کرنا درحقیقت اسلام کی وہ عظیم خدمت تھی جس کی مسلمان جتنی بھی قدر کرتے کم تھی، اس طرح قرآن خود اپنے مندرجہ حقائق کی ایک مرتب تفسیر ہوتا جس سے نہ معلوم کتنے مشتبہ امور حل ہو جاتے۔

اور پھر جب کہ اس فرض کی اہمیت کا اندازہ خود صدرِ اسلام کے مسلمانوں کو

تھا بھی لیکن وہ صورت حال کی بنا پر اس کو غیر ممکن الوقوع سمجھتے تھے جیسا کہ علامہ سیوطی کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن سیرین نے عکرمہ سے پوچھا "الفوہ کما انزل الاول فالاول" کیا صحابہ نے قرآن کو ترتیب نزول کے مطابق سلسلہ وار جمع کیا تھا؟ عکرمہ نے کہا لو اجتمعت الانس والجن علی ان تو لفوہ ھذا التالیف ما استطاعوا" اس صورت سے تو اگر تمام جن و انس بھی جمع ہوتے قرآن مجید کو جمع نہ کر سکتے تھے" (اتقان صفحہ ۶۹)

بیشک اس فقرہ کی تہہ میں وسعت نہیں تنگ نظری و کوتاہ بینی کا عنصر نمایاں ہے۔ گھر کی چار دیواری میں آنکھ کھولنے والا صحرا کی وسعت کا اندازہ نہیں کرتا اور کال کوٹھری میں پوری زندگی گذار دینے والا اپنی دنیا اسی کال کوٹھری میں محدود دیکھتا ہے۔

اور اسی لئے عکرمہ کو نمایاں ہستیوں اور ذمہ دار شخصیتوں کے مبلغ علم پر نظر کر کے یہ حکم لگا دینے کا حق ضرور تھا کہ سمندر اتھاہ اٹھتے ہوئے حبابوں میں منحصر ہے انھیں کیا معلوم کہ محراب عبادت کے تاریک زاویوں میں اور نخلستان یہود کے درختوں کے پاس مشکیزہ بردوش ایسی ہستی بھی ہو سکتی ہے جس کے سامنے یہ مشکل مشکل نہیں ہے وہ رسول کا حقیقی وارث علم ہے جس نے براہ راست معدن وحی و تنزیل سے اسرار تنزیل کو حاصل کر کے گنجینہ کی صورت میں محفوظ کیا ہے اور اس بنا پر اس تک پہونچا ہے کہ وہ اس کے حقیقی صورت پر جمع و تالیف کے فرض کو انجام دے۔

اب یہ امر "امور مملکت عثمانی" کے تحت میں شاید زیادہ کشادگی سے مانا جانا سمجھا جائے کہ پھر آخر جمع قرآن کے موقع پر امیر المؤمنین کے جمع کردہ مصحف کو کیسے کم لے کر دیکھئے کہ آپ کو جمع قرآن کے کام میں شریک کرنے یا بالاکم از کم آپ کا مشورہ لینے ہی کی ضرورت کیوں نہ سمجھی گئی۔

یہ تاریخ کا حیرت انگیز کرشمہ نہیں تو کیا ہے کہ علامہ مصطفٰے صادق رافعی "اعجاز القرآن" میں لکھتے ہیں۔

ما لیس فیہ ریب ان منھم قوما جمعوا القرآن کلہ لذلک العہد وقد اختلفوا فی تعیینھم بید انھم اجمعوا علی نفر منھم علی بن ابی طالب ومعاذ بن جبل وابی بن کعب وزید بن ثابت وعبد اللہ بن مسعود وھولاء کانوا ائمۃ ھذا الامر من بعد فان المصاحف التی اختصت بالثقۃ کانت ثلثۃ مصحف ابن مسعود ومصحف ابی ومصحف زید۔

"اس میں شبہ نہیں کہ صحابہ میں سے بعض حضرات نے تمام قرآن اسی زمانہ میں جمع کر لیا تھا اور اُن لوگوں کی تعیین میں اختلاف ہے لیکن مذکورہ ذیل اشخاص کے متعلق اجماع ہے علی بن ابی طالب، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت، عبد اللہ بن مسعود۔ اور یہی لوگ بعد کے لئے اس امر کے سرچشمہ تھے اسلئے کہ جو مصاحف بعد میں مخصوص طور پر قابل اعتماد سمجھے گئے وہ یہ تین تھے مصحف ابن مسعود، مصحف ابی، مصحف زید (ص ۳۵۔ ۳۶)

اول و آخر کی تطبیق کے بعد نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ اجماع امت علی بن
ابی طالبؑ نے قرآن جمع کیا تھا لیکن صحابہ کو اعتماد جو پیدا ہوا وہ ابی بن کعب
اور عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت کے جمع کردہ قرآن پر اور بس۔

اب امیر المومنینؑ کے سامنے طریق کار دو صورتوں میں منحصر تھا۔ ایک یہ کہ آپ
اپنے جمع کردہ مصحف کو منظر عام پر لا کر اس کی نشر و اشاعت میں انتہائی کوشش
صرف فرماتے اور مسلمانوں کو اسی پر عمل کی دعوت دیتے۔ یہ صورت بے شک مسلمانوں
کے لئے ان فوائد سے استفادہ کا موقع پیدا کرتی کہ جو آیات قرآن کے سلسلہ نزول
کے ساتھ مرتب ہونے میں حاصل ہو سکتے ہیں لیکن اس سے اسلام کی ہیئت اجتماعیہ
ایک عظیم صدمہ پہنچتا یعنی اُنکے لئے ایک قرآن کے بجائے دو قرآن ہو جاتے جو اقوام
عالم میں اسلام کی عظمت و روحانیت کے لئے سم قاتل کا حکم رکھتا تھا۔ اور پھر کوئی
ضمانت نہ تھی کہ ابی بن کعب و عبداللہ بن مسعود وغیرہ والے مصحفوں کے ساتھ تیسرے
دو میں وہ بھی نذر آتش نہ کر دیا جاتا

دوسرے یہ کہ آپ باوجود اختلاف مسلک کے مفاد اسلامی کا لحاظ کرتے ہوئے
اپنے مرتب کردہ قرآن کو اپنے پاس محفوظ رکھکر عملی طور سے اسی صورت کو تسلیم کر لیں
جسکو مسلمانوں کے ذمہ دار افراد نے اپنی صوابدید سے تجویز کر لیا تھا اور اپنے تابعین کو
اسی پر عمل کی دعوت دیں۔ اس طرح امیر المومنینؑ کی ذاتی حیثیت سے اگرچہ ایک
حد تک شکست سمجھی جا سکتی ہے یعنی یہ کہ انکا مرتب کردہ قرآن قبولیت عامہ کے درجہ

تو حاصل نہ کر سکا بلکہ خود آپکو دوسروں کی صوابدید کا پابند ہونا پڑا لیکن انھوں نے
وحدت اسلامی کی خاطر کبھی اپنے ذاتی مفاد کا لحاظ نہیں کیا

انھوں نے اس اسلامی شیرازہ کی نگہداشت
کے لئے اپنے حق کو حاصل کرنے میں ذاتی جدوجہد پر اکتفا کرتے ہوئے کبھی عملی اقدام نہیں
کیا۔ انھوں نے اسی کی خاطر پچیس برس تک خانہ نشینی گوارا کی اور مقابلہ کا خیال
کبھی دل میں نہ لائے۔

انجام بینی اور عاقبت اندیشی کا تقاضا یہ تھا کہ ان دونوں صورتوں کا موازنہ کیا اور
ان میں سے کون سی صورت [illegible] زیادہ خطرناک پایا۔ بیشک اگر موجودہ قرآن میں وہ ایسی
تغییر و تبدیل پاتے جس سے احکام اسلامیہ [illegible] اسلامیہ پر کوئی اثر پڑتا تو وہ ضرور
اسکے خلاف علم بلند کرتے [illegible] صورت [illegible] حقیقی قرآن کی نشر و اشاعت
کرتے لیکن موجودہ حالت [illegible] انھوں نے اپنے مرتب کردہ قرآن کو اپنے پاس
محفوظ رکھا اور موجودہ قرآن کو عملی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔ اس طرح اگرچہ وہ فوائد جو
ترتیب نزول کی بنا پر حاصل ہو سکتے تھے حاصل نہ ہو سکے لیکن اسلامی عقیدۂ قرآن کا شیرازہ
درہم برہم ہونے سے محفوظ رہا اور موجودہ قرآن کو تسلیم کر کے انھوں نے اپنے متبعین
کو قرآن موجود پر ایمان لانے کا ایک مستند [illegible] کی بنا پر وہ اس کو کلام الٰہی اور کتاب
سماوی سمجھتے چلے آتے ہیں۔ اس امر کی تفصیل کیلئے [illegible] آئندہ کا انتظار کرنا چاہئے۔
ہم تو ابھی جمہور مسلمین کے نقطۂ نظر سے یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ تمام محدثین نے قرآن مجید

کے متعلق کس کس قسم کے روایات درج کئے ہیں اور وہ ایمان بالقرآن کے معیار پر ٹھیک اترتے ہیں یا نہیں۔

آیات قرآن میں صحابہ کے اختلافات

قرآن مجید میں صحابہ کا اختلاف صرف سلسلۂ ترتیب میں منحصر نہ تھا بلکہ آیات قرآن میں بھی بہت نمایاں اختلافات پائے جاتے تھے چنانچہ صحیح بخاری میں مناقب ابن مسعود کے ذیل میں یہ روایت موجود ہے۔

حدثنا موسی عن ابی عوانۃ عن مغیرۃ عن ابراھیم عن علقمۃ قال دخلت الشام فصلیت رکعتین فقلت اللھم یسر لی جلیسا صالحا فرأیت شیخا مقبلا فلما دنا قلت ارجو ان یکون استجاب قال من این انت قلت من اھل الکوفۃ قال فلم یکن فیکم صاحب النعلین والوسادۃ والمطھرۃ اولم یکن فیکم الذی اجیر من الشیطان اولم یکن فیکم صاحب السر الذی لا یعلمہ غیرہ کیف قرأ ابن ام عبد واللیل اذا یغشی والنھار اذا تجلی والذکر والانثی فقال اقرأنیھا النبی صلے اللہ علیہ وسلم فاہ الی فیّ فما زال ھؤلاء حتی کادوا یردوننی۔

"علقمہ کا بیان ہے کہ میں شام میں گیا اور دو رکعت نماز پڑھکر خدا سے دعا کی کہ خدایا میرے لئے ایک اچھا ہمنشین پیدا کر دے۔ یکایک ایک ضعیف العمر آدمی آتے ہوئے نظر آیا جب میرے قریب آیا تو میں نے کہا کہ شاید میری دعا مستجاب ہوئی ہے۔ اس نے کہا تم کون ہو میں نے کہا "کوفہ کا رہنے والا ہوں" کوفہ کا نام سنکر انھوں نے حذیفہ اور عمارؓ تذکرہ

کیا اور پھر کہا کہ سچ بتاؤ ابن مسعود والیل اذا یغشی والی آیت کو کیونکر پڑھا کرتے تھے؟ میں نے کہا واللیل اذا یغشی والنھار اذا تجلی والذکر والانثی تو ابو الدرداء نے کہا کہ مجھ کو بھی رسالتمآب نے اپنی زبان مبارک سے یونہی یاد کرایا تھا لیکن ان لوگوں نے اس کے خلاف مجھ پر اتنا زور ڈالا کہ قریب تھا میں اس قرات کو ترک کر دوں۔

(بخاری مطبوعہ کرزن پریس دہلی ص۱۳۵)

یہی حدیث اس کے قبل مناقب عمار وحذیفہ کے تحت میں دو طریقوں سے مذکور ہے جن میں تصریح ہے کہ وہ بزرگ جن سے ملاقات ہوئی تھی ابو الدرداء تھے اور دو طریقوں سے " باب من لقی لہ الوسادۃ " ص۹۲۹ میں مذکور ہے۔ قرآن مجید کی موجودہ آیت میں وما خلق الذکر والانثی ہے اور معلوم ہوا کہ ابن مسعود اور ابو الدرداء دونوں اس کو والذکر والانثی پڑھا کرتے تھے۔

علامہ شیخ مصطفی صادق رافعی نے بھی جمع قرآن کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

بقیت تلک الصحف عند ابی بکر ینتظر بھا وقتھا الذی یعین حتی اذا توفی سنۃ ۱۳ھ صارت بعدہ الی عمر فکانت عندہ حتی مات ثم کانت عند حفصۃ ابنتہ صدرا من ولایۃ عثمان ولیومئذ اتسعت الفتوح وتفرق المسلمون فی الامصار فاخذ اھل کل مصر عن رجل من بقیۃ القراء فاھل دمشق وحمص اخذوا عن المقداد بن الاسود واھل الکوفۃ عن ابن مسعود واھل البصرۃ عن ابی موسی الاشعری وقرأ کثیر من اھل الشام بقراءۃ ابی بن کعب

وکانت وجوہ القراءۃ التی یؤدون بھا القرآن مختلفۃ" وہ صحف جو زید بن ثابت
نے جمع کیے تھے حضرت ابوبکر کے پاس باقی رہے اور وہ اُنکے متعلق موقع کے منتظر رہے
یہاں تک کہ اُنکا انتقال ہوگیا۔ پھر حضرت عمر کے پاس رہے یہاں تک کہ اُنکا انتقال ہوا
پھر اُنکی صاحبزادی حفصہ کے پاس حضرت عثمان کی خلافت کے ابتدائی دور مین
محفوظ رہے، اُس زمانہ مین اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوچکا تھا اور مسلمان اطراف
عالم مین منتشر ہوگئے تھے۔ لہذا ہر شہر والون نے ایک شخص سے حفاظ قرآن مین سے
قرآن کی تعلیم حاصل کی۔ اہل دمشق نے مقداد بن الاسود سے اور اہل کوفہ نے ابن مسعود
سے اور اہل بصرہ نے ابوموسیٰ اشعری سے اور بہت سے اہل شام نے ابی ابن کعب کی
قرارت سے پڑھنا شروع کیا اور قراءت کے اصول جن پر وہ لوگ قرارت کرتے تھے مختلف
تھے (اعجاز القرآن ص ۳۹)

لیکن اِس اختلاف کی ذمہ داری بھی رسالت مآب کی طرف عائد ہوئی اُن احادیث
کی بناء پر جنمین یہ وارد ہوا ہے کہ انزل القرآن علی سبعۃ احرف "قرآن سات حرفون
پر نازل ہوا ہے"

اگرچہ ان احادیث کے معنی اتنے متشابہ سمجھے گئے کہ اُن مین اختلافات کی حد نہ رہی
یہانتک کہ ابوحاتم محمد بن حبان البستی متوفی ۳۵۴ھ نے ان احادیث کے متعلق علماء کے
اقوال کو ۳۵ کی تعداد تک پہونچایا ہے اور اکثر معانی کی بناء پر انکو الفاظ قرآن کے
اختلاف سے کوئی تعلق باقی نہین رہتا ہے لیکن موجودہ صحاح سے جس قول کی تائید

حاصل ہوتی ہے اور جس پر علمائے اہل سنت نے صحابۂ کرام کے اختلافات کو منطبق کیا ہے وہ یہی ہے کہ حروف سے مراد آیات قرآن میں اپنے اپنے ذوق و زبان کے مطابق الفاظ کا تغیر و تبدل ہے کہ جس سے مطالب پر کوئی اثر نہ پڑے اسلئے کہ صحابہ مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور ہر قبیلہ کے لئے اکثر الفاظ کا تلفظ جو دوسرے قبیلہ میں متداول ہیں دشوار تھا اسلئے خداوند عالم کی جانب سے رسالتمآب کو قرآن مجید کے الفاظ کو زیادہ سے زیادہ سات طریقہ پر پڑھنے کی اجازت دی گئی اور حضرت ہر قبیلہ کے شخص کو اُسی کے محاورہ کے مطابق قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ نقیب السادة الاشراف بالدیار المصریہ سید محمد علی ببلاوی اپنی کتاب "التعریف بالنبی والقرآن الشریف" مطبوعہ مصر ۱۳۲۵ھ ص۸۱) میں احرف سبعہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ما اختاره ان معنی نزول القرآن علی سبعة احرف اشتماله علی سبعة اوجه یقرأ القاری بای وجه منها علی البدل من صاحبه فایما سمع القاری من النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ به فقد وسع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقرئ کل جماعة بالحرف ای اللغة التی مرنت علیها السنتهم فالهذلی یقرأ عتی حین بدل حتی حین والاسدی تعلمون بکسر التاء بدل تعلمون بفتح التاء ولو اراد کل فریق ان یزول عن لغته وما جری علیه لسانه طفلا وناشئا وکهلا لشق ذلك غاية المشقة فاتیح للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقرأهم بلغاتهم تیسیرا من اللہ علی خلقه وتحقیقا لما اتصف به صلی اللہ علیہ وسلم من الرأفة

بامتہ والشفقۃ علیہم۔

"قول مختار یہ ہے کہ معنی سات حرفون پر نزول قرآن کے یہ ہین کہ اُس مین سات صورتین پائی جاتی ہین جنکے ساتھ ادل بدل کر اُس کو پڑھا جا سکتا ہے تو اُن صورتون مین سے جس طرح بھی رسالتمآبؐ کی زبان سے گوش گذار ہو جائے اُس صورت سے پڑھنا جائز ہوگا کیونکہ رسالتمآبؐ کو اجازت دی گئی تھی کہ وہ ہر جماعت کو اُسی کی مادری زبان اور فطری محاورہ کے مطابق قرآن کی تعلیم دین تو قبیلہ بنی ہذیل کا شخص مثلاً حتی حین کو عتی حین پڑھ سکتا تھا اور بنی اسد کا آدمی تعلمون بفتح تاء کو تعلمون بکسر تاء پڑھنے کا حق رکھتا تھا۔ اور اگر ہر قبیلہ یہ چاہتا کہ اپنے روزمرہ محاورہ کو ترک کردے جس کا وہ بچپنے جوانی اور ادھیڑ پن مین عادی ہو چکا ہے تو اُسمین اُس کے لئے بہت بڑی دشواری پیش آتی اسلئے رسالتمآبؐ کے لئے جائز قرار دیا گیا کہ وہ اونکو اُنھی کی زبان مین قرآن کی تعلیم دین۔ اس طرح خداوند عالم کی طرف سے اپنے مخلوق کے لئے سہولت پیدا کی گئی اور حضرت رسولؐ کی مہربانی و شفقت اپنی امت پر پایۂ ثبوت کو پہونچی۔"

یہ اختلاف معمولی طریقۂ تلفظ یا صرف حرکات حروف ہی ن محدود نہ تھا بلکہ یہ اختلاف اس حد پر تھا کہ جس سے صحابۂ کرام کو بعض اوقات تشویش اور اضطراب پیدا ہو جاتا تھا اور کبھی جب جناب رسالتمآبؐ کی طرف رجوع کرتے تھے تو حضرت فرماتے تھے کہ دونون ٹھیک ہین جیسا کہ صحیح بخاری کی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے

کہ حضرت عمر فرماتے ہین۔

سمعت هشام بن حکیم یقرأ سورة الفرقان فی حیوة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فاستمعت لقرأته فاذا هو یقرأ علی حروف کثیرة لم یقرأنیها رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فکدت اساوره فی الصلوة فتصبرت حتی سلم فلببته بردائه فقلت من اقرأك هذه السورة التی سمعتك تقرأ قال اقرأنیها رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقلت کذبت فان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قد اقرأنیها علی غیر ما قرأت فانطلقت به اقوده الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقلت انی سمعت هذا یقرأ بسورة الفرقان علی حروف لم تقرأنیها فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ارسله اقرأ یا هشام فقرأ علیه القراءة التی سمعته یقرأ فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کذلك انزلت ثم قال اقرأ یا عمر فقرأت القرأة التی اقرانی فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کذلك انزلت ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف فاقرأوا ما تیسر منه۔

مین نے ہشام بن حکیم کو جناب رسالتمآب کی زندگی مین سورۂ فرقان پڑھتے دیکھا۔ مین نے غور سے سننا شروع کر دیا تو معلوم ہوا کہ وہ بہت سے ایسے الفاظ پڑھ رہے تھے جنکے ساتھ مجھ کو رسالتمآب نے اس سورہ کی تعلیم نہین دی تھی۔ بس قریب تھا کہ نماز ہی مین ان سے دھر پکڑ کرون مگر نفس پر جبر کر کے مین نے صبر کیا یہان تک کہ انھون نے سلام پھیرا۔ اوسوقت مین نے بڑھ کے اونکی چادر کا پھندا بنا کر انکے گلے مین ڈالا

اور اُسکو کھینچکر کہا کہ تم کو یہ سورہ جو مین نے تمھین پڑھتے سنا کس نے یاد کرایا ہے؟
اُنھون نے کہا کہ مجھ کو جناب رسالتمآبؐ نے اس کی تعلیم دی ہے۔ مین نے کہا تم بالکل
غلط کہتے ہو: رسالت مآبؐ نے خود مجھ کو اس سورہ کی تعلیم دی ہے اُس صورت سے
جدا گانہ کہ جس طرح تم نے پڑھا۔ یہ کہکر مین اُنھین کھینچتا ہوا رسالتمآبؐ کے پاس لایا
اور کہا کہ دیکھیے تو یہ سورۂ فرقان کو ایسے الفاظ کے ساتھ پڑھتا ہے جس کے خلاف
آپ نے مجھ کو تعلیم دی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ "اُسے چھوڑ دو" تو پھر ہشام کی طرف مخاطب
ہو کر "کیون پڑھو تو! کیونکر پڑھتے ہو؟" ہشام نے سورہ کو اُسی طرح سے پڑھا جس
طرح مین نے اُنسے سنا تھا حضرت نے فرمایا۔ بیشک یہ سورہ اس طرح نازل ہوا ہے؛
پھر مجھ سے فرمایا اچھا تم پڑھو" مین نے بھی اُسی صورت سے جس طرح مجھ کو یاد تھا پڑھا
حضرت نے فرمایا ہان اس طرح بھی نازل ہوا ہے پھر فرمایا کہ یہ قرآن سات حرفون پر
نازل ہوا ہے اور تم لوگون کو اختیار ہے کہ اُن مین سے جو آسان ہو اُس طرح اُس کو
پڑھو" (مطبوعہ کرزن پریس دہلی صفحہ ۴۳)

اسی بنا پر حضرات شیخین نے اس اختلاف کو گوارا کیا اور اگرچہ خود قرآن مجید
کو زید بن ثابت کے توسط سے جمع کرالیا تھا لیکن دوسرے صحابہ کو مجبور نہین کیا کہ وہ بھی
اُسی صورت پر قرآن مجید کو پڑھین اور تعلیم دین بلکہ حضرت عمر نے ابی بن کعب کو جنکے
مصحف کی ترتیب بالکل مصحف زید سے جداگانہ اور جنکی قرأت بھی اُنکی قرأت سے
مختلف تھی خود نماز تراویح کا امام مقرر کیا اور تمام لوگون کو مامور کیا کہ وہ اُنہی

کی قرأت کے ساتھ پڑھیں اور جب کسی قرأت کے متعلق انکو علم ہوگیا کہ یہ ابی بن کعب کی بتلائی ہوئی ہے تو پھر وہ سوائے تسلیم کر لینے کے اسکے متعلق ایک حرف بھی نہ کہتے تھے۔ چنانچہ ملا علی متقی نے کنز العمال میں نقل کیا ہے۔

عن بجالة قال مر عمر بن الخطاب بغلام وهو يقرأ في المصحف النبي اولى بالمؤمنين من انفسهم وازواجه امهاتهم وهو اب لهم فقال يا غلام حكها قال هذا مصحف ابي فذهب اليه فسأله فقال انه كان يلهيني القرآن ويلهيك الصفق بالاسواق۔

حضرت عمر نے ایک لڑکے کو مصحف میں پڑھتے سنا کہ النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم وازواجہ امہاتہم وھو اب لہم حضرت نے فرمایا کہ اس (وھو اب لہم) کے فقرہ) کو چھیل ڈالو اس نے کہا کہ یہ کسی اور کا نہیں ابی بن کعب کا مصحف ہے یہ سنکر آپ ابی کے پاس گئے اور اُن سے دریافت کیا۔ ابی نے کہا کہ آپکو کیا خبر مجھے دن رات قرآن میں صرف ہوتا تھا اور آپ کو بازار دن میں پھرنے سے فرصت نہ تھی۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابی کے مصحف میں آیہ النبی اولی بالمؤمنین کے آخر میں وھو اب لھم کا ٹکڑا زیادہ تھا جو زید بن ثابت کے جمع کردہ قرآن میں موجود نہیں ہے لیکن حضرت عمر نے اس کو برداشت کر لیا۔

اور عبداللہ بن مسعود کے متعلق اتنا اعتماد تھا کہ جب حضرت عمر کے پاس ایک شخص نے مقام عرفات میں آکر کہا کہ جئتك من الکوفة وترکت بھا رجلا یملی المصحف عن ظھر قلبہ میں کوفہ سے آیا ہوں اور وہاں ایک شخص کو چھوڑا ہے کہ وہ مصحف کو بالکل ازبر پڑھتا ہے تو یہ سنکر آپکو بڑا شدید غصہ آیا اور کہا ویحك ومن ھو جلدی بتا وہ ہے کون؟ اس نے کہا عبداللہ بن مسعود فوراً آپکا غصہ فرو ہوگیا اور کہا واللہ ما اعلم احدا احق بذلك منہ خدا کی قسم میں کسی شخص کو نہیں دیکھتا کہ وہ اُن سے زیادہ اس امر کا حقدار ہو (ملاحظہ ہو استیعاب ابن عبدالبر برحاشیہ اصابہ طبع مصر ج ۲ ص ۳۲۲)

اور اس روایت کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اصابہ (ج ۳ ص ۲۷) میں درج کیا ہے یہ صورت حال اسی طرح قائم رہی اور صحابہ پوری آزادی کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت اپنے اپنے طریقہ پر کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت عثمان کا دور آیا اور اسوقت یہ اختلاف مفاد اسلامی کے لئے مضر قرار دیا گیا اور اطراف سے فریادیں آنے لگیں کہ صحابہ کرام کے اختلاف کی وجہ سے قریب ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگیں اور خود قرآن مجید کے آیات کا انکار کردیں اور اسکی وجہ سے آتش فتنہ و فساد درخشاں ہو چنانچہ اس صورت حال اور اسکے نتائج کی مرقع کشی علامہ رافعی نے حسب ذیل الفاظ میں کی ہے۔

کانت وجوہ القراءۃ التی یودون بھا القرآن مختلفۃ باختلاف الاحرف التی نزل علیھا فکان سیتمر بذلك الذی یجمع ھذا الاختلاف من اھل تلك

الامصار اذا التقوا في المجامع او التقوا في المواطن على جهاد اعداءهم يعجب من ذلك ان تكون هذه الوجوه كلها على اختلاف ما بينها في كلام واحد فانا اذا علمنا ان جميع القراءات مسندة الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وانه اجازها لا يمتنع ان يحيك في صدر بعض الشك وان ينطوي منها على شيء اذا هو قد كان نشأ بعد زمن الدعوة وبعد ان اجتمع العرب على كلمة واحدة فلا يلبث ان يجري ذلك الاختلاف مجرى مثله من سائر الكلام فيرى بعضه خيرا من بعضه ويظن منه الصريح والمدخول والعالي والنازل والافصح والفصيح واشباه ذلك ويعتد ما يراه في القرآن من القرآن وهذا امر ان هو استفاض فيهم ثم مردوا عليه خرجوا منه ولا ريب الى المناقضة والملاحاة ولابد ان يرد بعضهم على بعض هذا يقول قراءتي وما اخذت به وذاك يقول بل قراءتي وما انا عليه وليس من وراء هذا اللجاج الا التكفير والتأثيم ولا جرم انها الفتنة لا تفتأ بعد ذلك

من دم قرارت کے اصول جن پر وہ لوگ قرآن کو پڑھا کرتے تھے مختلف تھے اُن حروف کے اختلاف کی بنا پر کہ جن پر قرآن نازل ہوا تھا تو جب یہ مختلف صورتوں پر قرآن کو جاننے والے کسی مجلس میں جمع ہوتے یا میدان جنگ میں یکجا ہوتے تھے اور دیکھنے والا اُن کے اختلافات کو قرآن مجید کے آیات میں دیکھتا تھا تو اُسے تعجب ہوتا تھا کہ یہ سب الفاظ باوجود اپنے اختلاف کے ایک ہی کلام میں کیونکر صحیح ہو سکتے

ہین، اسکے ساتھ جب اُسے معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب قراتین رسالت مآبؐ کی طرف استنا درکھتی اور حضرت نے اُنکے متعلق اجازت دی ہے تو یقیناً موقع تھا کہ اُس کے سینہ مین شبہہ وشک کسی حد تک خراش پیدا کرے اور پھر نہ کچھ دل مین آئے اسلئے کہ اس شخص کی نشو ونما ایسے وقت پر ہوئی تھی کہ جب ابتدائے دعوت اسلام کو طویل زمانہ گذر چکا ہے اور تمام قبائل عرب ایک کلمہ پر جمع ہو چکے ہین۔ اس کا قریبی نتیجہ یہ تھا کہ وہ اُس اختلاف کو قرآن کے علاوہ دوسری کتابون کے اختلاف نسخ کی صورت سے قرار دیکر اُن مین محاکمہ پر تیار ہو جب آتاکہ یہ اُس سے بہتر ہے اور یہ صریح ہو وہ مدخول، یہ عالی ہے اور وہ پست یہ افصح ہے اور وہ فصیح اور اس طرح اپنے ذاتی خیالات کو قرآن مین داخل کر دیتا۔

یہ ایسا امر تھا کہ اگر اس کو زیادتی ہوتی اور لوگون کو اس کا چسکا لگتا تو یقیناً نتیجہ مین باہمی مناقشہ و منازعہ اور لقض ورد تک نوبت پہونچتی، یہ کہتا کہ میری قرارت اور میرا انتخاب بہتر ہے، وہ کہتا کہ نہین بلکہ میری قرارت اور میرا مسلک بہتر ہے اور اس اختلاف کے آخر مین سوائے اسکے کہ ایک دوسرے پر کفر کا حکم لگائے اور گنہگار بتلائے کوئی اثر مترتب نہوتا اور یقیناً یا ایک ایسا فتنہ تھا جس کی انتہا آخر مین خونریزی تک ہونا ناگزیر تھی۔"

حضرت عثمان کو اس امر کی طرف خاص طور سے توجہ ہوئی خصوصاً اُس وقت کہ جب حذیفہ بن الیمان ارمینیہ وآذربائیجان کی فتح کے سلسلہ مین جنگ پر گئے اور

وہان سے واپس آکر انھون نے بڑی اہمیت کے ساتھ لوگون کے اختلافات کا تذکرہ کیا اور کہا کہ جلد خبر لیجئے نہین تو اُمت اسلامیہ یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب خدا مین مختلف ہوجائیگی، حضرت عثمان کو اسکے سوا کوئی تدبیر نظر نہ آئی کہ حضرت رسول کی اجازت کو منسوخ کرتے ہوئے تمام لوگون کو ایک ہی قرارت کا پابند بنادین اور جن قرائتون کو جنکے ساتھ پڑھنے کی اب تک اجازت تھی جرم قرار دیدین چنانچہ اس غرض کے لئے انھون نے اُس قرآن کو جو حضرت ابوبکر کے زمانہ مین زید بن ثابت کے ہاتھون جمع ہوچکا تھا حفصہ بنت عمر کے پاس سے منگا بھیجا اور طے پایا کہ اسی کے موافق نسخے لکھوا کر تمام ممالک مین منتشر کئے جائین اور اُسکے سوا جتنے نسخے قرآن کے مجتمع یا غیر مجتمع صورت مین مختلف صحابہ کے پاس پائے جاتے ہین اُنکو نذر آتش کردیا جائے اور اس امر کی احتیاط کے لئے کہ ان نقل شدہ نسخ کو کوئی اختلاف پہلے نسخہ کے ساتھ نہ ہو اور یہ کہ خود اُس نسخہ پر نظر ثانی بھی ہوجائے پھر زید بن ثابت کو منتخب کیا گیا اور اُنکے ساتھ عبداللہ بن زبیر سعید بن العاص و عبدالرحمن بن حارث بن ہشام مخزومی کو معاون کے طور پر اُنکا شریک بنا یا گیا۔

اس واقعہ کا تذکرہ صحیح بخاری مین حسب ذیل الفاظ مین موجود ہے۔

حدثنا موسیٰ قال حدثنا ابراہیم قال حدثنا ابن شہاب ان انس بن مالک حدثہ ان حذیفۃ بن الیمان قدم علی عثمان وکان یغازی اہل الشام فی فتح ارمینیۃ وآذربیجان مع اہل العراق فافزع حذیفۃ

اختلافهم فی القراءۃ فقال حذیفۃ لعثمان یا امیر المومنین ادرک
هذہ الامۃ قبل ان یختلفوا فی الکتاب اختلاف الیهود والنصاری فارسل
عثمان الی حفصۃ ان ارسلی الینا بالصحف ننسخها فی المصاحف ثم نردها
الیک فارسلت بها حفصۃ الی عثمان فامر زید بن ثابت وعبد اللہ بن
الزبیر وسعید بن العاص وعبد الرحمن بن الحارث بن هشام فنسخوها
فی المصاحف وقال عثمان للرهط القرشیین الثلثۃ اذا اختلفتم انتم و
زید بن ثابت فی شیئ من القران فاکتبوہ بلسان قریش فانما نزل
بلسانهم ففعلوا حتی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف رد عثمان الصحف الی
حفصۃ وارسل الی کل افق بمصحف مما نسخوا وامر بما سواہ من القران
فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق۔

انس بن مالک کا بیان ہے کہ حذیفہ بن یمان حضرت عثمان کے
پاس آئے اور اس کے قبل وہ آرمینیہ و آذربائیجان کی فتح کے سلسلہ
مین اہل شام وعراق کے ساتھ جنگ مین شریک تھے اور اس
دوران مین جو اختلافات اُنھون نے قراءت قرآن مین
دیکھے اُن سے پریشان ہو گئے تھے اسلئے اُنھون نے حضرت عثمان
سے کہا کہ اے فرمانروائے مسلمین اس امت کی خبر لیجئے قبل اسکے کہ اُنمین کتاب
خدا کے بارے مین ویسا اختلاف پڑے جیسا کہ یہود و نصاریٰ کے اندر رہے

یہ سنکر حضرت عثمان نے حفصہ کے پاس آدمی بھیجا کہ وہ قرآن کے اجزاء جو تمھارے پاس ہین بھیجدو ہم اُسکو مجموعی حیثیت سے مصحف کی صورت مین نقل کرکے واپس کردینگے۔ حفصہ نے اُن اجزاء کو عثمان کے پاس بھیجدیا۔ اُنھون نے زید بن ثابت اور عبداللہ بن زبیر اور سعید بن عاص اور عبدالرحمن بن حارث بن ہشام کو حکم دیا اور اُنھون نے اُس کو مصاحف کی صورت مین نقل کیا اور عثمان نے اُن تینون قرشی آدمیون کو حکم دیا تھا کہ جب تم مین اور زید بن ثابت مین کسی لفظ کے متعلق اختلاف ہو تو اُس کو قریش کے محاورہ پر لکھنا کیونکہ قرآن کا اصلی نزول قریش کی زبان مین ہے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا یہان تک کہ جب اُن اجزاء کی نقل مصحف کی صورت مین ہوگئی تو وہ اجزاء حفصہ کے پاس واپس کرئے گئے اور اطراف وجوانب مین سے ہر ملک مین ایک نسخہ اُس کا بھیجدیا گیا اور جتنے قرآن کے نسخے اس کے علاوہ متفرق اجزاء یا مجتمع کتاب کی صورت مین تھے اُنکے متعلق حکم ہوا کہ وہ آگ مین جلا دیئے جائین"

(بخاری کرزن پریس دہلی ص ۷۴۶)

حدیث مذکور سے صاف ظاہر ہے کہ جمع قرآن کے سلسلہ مین حضرت عثمان نے خود کاوش وکاہش کی ضرورت نہین سمجھی تھی بلکہ اُنھون نے اُسی جمع وتالیف پر اعتماد کیا جو حضرت ابوبکر کے حکم سے عمل مین آچکی تھی، بیشک اس اطمینان حاصل کرنے کے لئے کہ موجودہ نسخے اُس کے مطابق رہین تصحیح وتنقیح کا کام اُنہی زید بن ثابت کے سپرد کیا گیا جو پہلی تالیف کے ذمہ دار تھے اور چونکہ منظور یہ تھا کہ قرآن

کی جو مختلف قرائتین ہو گئی ہین اُنکا قلع قمع ہو کر ایک قرارت پر اتفاق حاصل ہو اس لیئے اُن الفاظ کی تعیین کے لئے جنکا طریقہ ادا اور رسم الخط مختلف ہے اور اس اعتبار سے اُمنین اختلاف کی گنجائش ہے تین قرشی آدمیون کو اُنکا شریک کار قرار دیا گیا تھا لیکن یہ دیکھکر بڑی حیرت ہوتی ہو کہ باوجود اُس اہتمام و انتظام کے جو سابقہ مرتبہ جمع قرآن مین ہو چکا تھا اب کی جو نقل کے سلسلہ مین زید بن ثابت نے مراجعہ کیا تو خود اُنکو اُس قرآن مین بعض آیات کی فروگذاشت نظر آئی جنھین پھر تحقیق کے بعد اضافہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ بخاری مین حدیث مذکور بالا کے بعد ہی لکھا ہے۔

قال ابن شہاب واخبرنی خارجۃ بن زید بن ثابت سمع زید بن ثابت قال فقدت آیۃ من الاحزاب حین نسخنا المصحف قد کنت سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأبھا فالتمسناھا فوجدناھا مع خزیمۃ بن ثابت الانصاری من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فالحقناھا فی سورتھا فی المصحف۔

"ابن شہاب نے زید بن ثابت کے صاحبزادے سے خود زید بن ثابت کا بیان نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے جب مین مصحف کے لکھنے مین مصروف تھا تو ایک آیت سورۂ احزاب مین کی جس کو مین رسالت مآبؐ کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا نہ ملی۔ ہم نے اُس کو ڈھونڈھنا شروع کیا تو وہ خزیمہ بن ثابت

انصار کے پاس دستیاب ہوئی من المومنین رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ۔ چنانچہ ہم نے اُسکو اُسکے سورہ کے آخر مین مصحف کے اندر درج کر دیا۔

درحقیقت زید بن ثابت کو آیت پوری یاد نہ تھی ورنہ اُنھین اُسکے ڈھونڈھنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ کچھ کچھ اُسکی لفظین یاد آتی تھین کہ حضرت ایک اس قسم کی آیت سورۂ احزاب مین پڑھا کرتے تھے اور وہ اب دستیاب نہین ہوتی اسی بنا پر اُنھون نے اُسکو تلاش کرنا شروع کیا جس مین وہ خزیمہ بن ثابت کے پاس کامیاب ہوئے۔

اس سے یہ خیال باور ہوا ثابت ہوجاتا ہے کہ زید بن ثابت رسالت مآب کی زندگی مین حفظ قرآن کرچکے تھے اور اُس کی دلیل بھی احادیث ہین جنمین اُنکا پتہ دے کر آیات قرآن کی جستجو کرنا مذکور ہے لیکن ہمارے بیان سے ثابت ہوگیا کہ اس خیال مین کوئی وزن نہین ہے۔

کون کہہ سکتا ہو کہ پہلی مرتبہ تتبع قرآن بالکل بے توجہی و کم اتفاقی کے ساتھ ہوا تھا اور مقابلہ و تکرار نظر کی نوبت نہ آئی تھی، یقیناً کتنی مرتبہ مقابلہ اور کس کس طرح تکرار نظر کی گئی ہوگی جب یہ اعتماد حاصل ہوا کہ قرآن مجید جمع ہوگیا لیکن پندرہ برس کے بعد جب حضرت عثمان کے دور مین نظر کی نوبت آئی تو ایک آیت کم معلوم ہوئی پھر اس مرتبہ کے جمع و تالیف مین کیا ضمانت ہوسکتی ہے کہ کسی قسم کی کوئی آیت نہین رہ گئی۔

پھر الفاظ قرآن مین بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ خامیاں رہ گئیں تھیں جنکی اصلاح اس مرتبہ کی گئی جیسا کہ ابن فارس نے ابی سے نقل کیا ہے کنت عند عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وھم یعرضون المصاحف فارسلنی بکتف شاۃ الی ابی بن کعب فیہا "لم یتسن" و "فامہل الکافرین" و "لا تبدیل للخلق" قال فدعا بالدواۃ فمحا احدی اللامین وکتب "لخلق اللہ" ومحا فا مہل وکتب "فمہّل" وکتب "لم یتسنہ" الحق فیہا ھاء او القراءۃ علی ھذا الرسم

مین حضرت عثمان کے پاس تھا جس وقت مصاحف کا مقابلہ ہو رہا تھا، انھون نے مجھکو ایک بکری کا شانہ دیکر ابی بن کعب کے پاس بھیجا جس پر لکھا تھا لم یتسن اور فامہل لکافرین اور لا تبدیل للخلق ابی بن کعب نے دوات منگوائی اور "للخلق" کی لفظ مین ایک لام چھیلکر لخلق اللہ بنا دیا اور فامہل کو چھیل کر فمہّل بنا دیا اور لم یتسن میں ہا ملا کر لم یتسنّہ کر دیا اور اب اسی صورت پر پڑھا جاتا ہے" (اعجاز القرآن رافعی صفحہ ۴۶)

اب اس کو جانے دو کہ زید بن ثابت صاحب عرضۂ اخیرہ سے آخران الفاظ مین غلطی کیون ہوئی تھی اور پھر کیا یہ شبہہ پیدا نہیں ہوتا کہ کسی اور لفظ مین بھی ایسی غلطی ہو۔ لیکن اتنا سوال غالباً حق بجانب سمجھا جائیگا کہ مذکورہ صورت حال مین لا تبدیل لخلق اللہ اور اسکے ساتھ والی دونون لفظین کیا صرف ابی بن کعب کی تجویز کا نتیجہ نہیں ہین اور پھر کیا انکا تواتر باقی رہا ہے؟

یہ سوال گذشتہ جمع قرآن اور موجودہ تصحیح و تنقیح دونون موقعون کے متعلق بہت اہم ہے کہ آخر زید بن ثابت کو بڑے بڑے صحابہ کی موجودگی مین جمع قرآن کے لئے منتخب کرنے کی کیا وجہ تھی؟ اور اُن مین کونسا امتیاز تھا کہ ابی بن کعب و عبداللہ بن مسعود ایسی ہستیون کے مقابلہ مین اُن کے جمع کردہ قرآن کا اعتبار کیا جائے؟

اسکے متعلق علمائے اہلسنت نے بڑی کاوش کے ساتھ یہ وجہ نکالی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ ہر سال قرآن کا مقابلہ کیا کرتے تھے اور اُس مین ہر مرتبہ کچھ آیات منسوخ اور کچھ متغیر اور کچھ اپنی جگہ سے دوسری جگہ ادل بدل کر دیئے جاتے تھے اور آخری مرتبہ اُس سال کہ جب جناب رسالتمآبؐ کا انتقال ہونیوالا تھا۔ اُنھون نے دو مرتبہ آکر قرآن کا مقابلہ کیا اور زید بن ثابت نے اسی سال قرآن کی تعلیم حاصل کی تھی لہذا وہ اُس مقابلہ کے نتیجہ پر مطلع تھے جو اس سال ہوا تھا اور اس لئے اُنکی جمع و ترتیب بالکل اُس جمع و ترتیب کے موافق تھی جس پر رسالت مآبؐ کا اپنی زندگی کے آخری دور مین عملدر آمد رہا اور جس طرح وہ اپنے آخر وقت تک قرآن کی تلاوت فرماتے تھے بخلاف ابی بن کعب اور ابن مسعود وغیرہ دیگر صحابہ کے کیونکہ ابن مسعود نے مکہ مین قرآن حفظ کیا تھا اور حضرت رسالت مآبؐ کو پڑھکر سنایا تھا اور ابی بن کعب نے ہجرت کے بعد اور اُسی زمانہ مین رسالت مآبؐ کو سنایا تھا (ملاحظہ ہو اعجاز القرآن صفحہ ۳۶-۳۷)

لیکن جہان تک غور کیا جاتا ہے یہ توجیہ صرف خوش عقیدگی کا نتیجہ اور دل کو

تسکین دے سینے کا ذریعہ ہے اور مستند احادیث و واقعات کی بنا پر اُس کا کوئی وزن معلوم نہیں ہوتا اسلئے کہ اُس موقع پر جب حضرت ابوبکر نے جمع قرآن کا کام زید بن ثابت کے سپرد کیا ہے اور اُنکو بلا کر اس امر پر مامور فرمایا ہے تو وجوہ ترجیح اُنکے لئے بتلائے گئے وہ اس بات سے بالکل مختلف ہین۔

اُسوقت جو کچھ بھی ارشاد ہوا تھا وہ یہ کہ انک شاب عاقل لانتہمک و قد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم "تم نوعمر عقلمند آدمی ہو تم پر ہم کو اطمینان ہے اور تم رسالت مآب کے پاس کاتب وحی بھی رہ چکے ہو"

بھلا اگر زید بن ثابت کے لئے ایک اتنی بڑی خصوصیت حاصل ہوتی کہ وہ عرضۂ اخیرہ (آخری مقابلہ قرآن مین) موجود تھے تو اس موقع پر اُس کا تذکرہ نہ کیا جاتا اور یہ نہ کہا جاتا کہ تم عرضۂ اخیرہ مین موجود تھے؟

یہی امتیاز رہ ہوتا جو مقام ترجیح مین اُنکے اختصاص کا ضامن ہوتا، اسکو چھوڑکر یہ کہنے کا کونسا موقع تھا کہ تم نوعمر ہو؟ کیا نوعمر ہونا اتنی بڑی ذمہ داری کے استحقاق کی ضمانت ہے؟

یہ ایک باریک مسئلہ ہے کہ منصب خلافت کے لئے تو سن رسیدہ ہونا وجہ ترجیح سمجھا جائے اور جمع قرآن کے موقع پر جوان سال ہونا اختصاص کی دلیل رہ گئی عقل اس سے غالبًا دوسرے صحابہ بھی محروم نہ تھے "ہم تم کو متہم (ناقابل اعتماد) نہین سمجھتے" یعنے کیا دوسرے صحابہ جتنے ہین وہ متہم اور ناقابل اعتماد ہین؟ پھر آخر

احکام شرعیہ تو عام مسلمانون کو انہی صحابہ کے ذریعہ سے پہونچے ہین۔ اُن تمام احکام کا حشر کیا ہوگا؟ کاتب وحی ہونے کی فضیلت بھی مخصوص نہین بلکہ بہت سے صحابہ اُس مین شرکت کے دعویدار ہوجائینگے۔

پھر حضرت ابوبکر کا یہ فرمانا فتتبع القرآن فاجمعہ "قرآن کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جمع کرو" یہ صاف اس امر کی دلیل ہے کہ زید بن ثابت کو قرآن مجید حفظ نہ تھا اور نہ وہ اُس ترتیب پر مطلع تھے جس پر آخری مرتبہ عرض قرآن ہوا تھا ورنہ اُن کو تتبع کے بعد جمع کا حکم نہوتا بلکہ یہ کہا جاتا "اُسی صورت پر جو تمھارے سینہ مین موجود ہے قرآن جمع کردو۔"

اور پھر زید بن ثابت نے جو صورت جمع کی بتلائی ہو فتتبعت القرآن اجمعہ من العسب واللخاف وصدور الرجال "مین نے قرآن کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر درخت کی چھالون اور پتھر کے ٹکڑون اور مختلف اشخاص کے محفوظات سے جمع کیا" یہ بھی صریحی دلیل ہے کہ وہ حافظ قرآن نہ تھے۔ باوجود زید بن ثابت کے اس اعتراف کے جو صحیح بخاری ایسی کتاب مین موجود ہو کیا سادہ لوحی نہین ہے کہ اُنکو حافظ قرآن اور صاحب عرضہ اخیرہ ہونے کی وجہ سے جمع قرآن کا حقدار سمجھا جائے۔

یہ کہنا کہ ابن مسعود نے مکہ معظمہ مین قرآن حفظ کیا تھا اور رسالتمآب کو پڑھکر سنایا تھا اور ابی بن کعب نے ہجرت کے بعد مدینہ مین جیسا کہ علامہ رافعی نے تحریر کیا

کیا ہے عجیب چیز ہے۔

لے حضرت مکہ مین قرآن پورا نازل ہی کب ہوا تھا جو ابن مسعود وہان حفظ کرتے اور رسالت مآب کو سناتے اور اسیطرح مدینہ کی ابتدائی دور مین پورا قرآن کہان موجود تھا۔ ہان یہ ہوسکتا ہے کہ اُنھون نے مکہ مین جتنا قرآن نازل ہوا تھا وہ مکہ مین یاد کیا اور پڑھکر سنایا تھا اور پھر رسالتمآب کے آخر زمانہ حیات تک جتنا جتنا نازل ہوتا گیا اُتنا اُتنا یاد کرکے سناتے گئے اس طرح خدمت رسول مین انکے انتہائی تعلیم پانے کا زمانہ عرضۂ اخیرہ تک پہونچتا ہے اور اس موقع پر جو کچھ تغیر وتبدل ہوا ہوگا وہ حضرت کی جانب سے عبد اللہ بن مسعود و ابی بن کعب کو بھی خاص طور پر بتلا یا گیا ہوگا خصوصا جبکہ حضرت کی توجہ ان دونون صحابیون کو تعلیم قرآن دینے کے متعلق خاص طور سے مبذول تھی یہان تک کہ ابی بن کعب کے متعلق حضرت نے یہان تک فرمایا کہ امرت ان اقرأ علیك القرآن مجھکو خدا کا حکم ہوا ہے کہ مین تمھین قرآن پڑھکر سناؤن" اور بعض روایات مین ہے اعرض علیك القرآن اور اس بنا پر حضرت نے تمام صحابہ کرام مین انکو مخصوص امتیاز وکر فرمایا۔ اقرأ امتی ابی میری امت مین سب سے بہتر حافظ قرآن ابی ہین" اور خود حضرت عمر کی یہ روایت متعدد طرق سے نقل ہوئی ہے کہ اقضانا علی واقرانا ابی ہم مین سب سے بہتر قاضی علی ہین اور سب سے بہتر حافظ قرآن ابی ہین" تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو استیعاب ابن عبد البر برحاشیہ اصابہ مطبوعہ

مصرح ا صـ۴۸

اور عبد اللہ بن مسعود کے متعلق حضرت کا ارشاد تھا من سرّہ ان یقرأ القرآن غضّا کما انزل فلیقرأ علی ابن ام عبد "جو شخص چاہتا ہو کہ قرآن مجید کی بالکل تر و تازہ صورت پر جس طرح نازل ہوا ہے تعلیم حاصل کرے تو وہ اسکو ابن مسعود سے پڑھے۔ اس روایت کی حافظ نسائی نے حضرت عمر سے تخریج کی ہے اور حافظ ابن حجر نے اصابہ ج ۳ صـ۲۷ اور ابن عبد البر نے استیعاب مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد ج ا صـ۳ اور ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ ج ۴ صـ۹۶ مین اُس کو درج کیا ہے اور پھر اُن صحابہ مین کہ جن سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کا رسالت مآبؐ نے حکم دیا تھا عبد اللہ بن مسعود کا پہلا نمبر ہے چنانچہ عبد اللہ بن عمر راوی ہین کہ سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول خذوا القرآن من اربعۃ من ابن ام عبد فبدأ بہ ومعاذ بن جبل وابی بن کعب وسالم مولی ابی حذیفۃ "مین نے رسالت مآبؐ کو فرماتے سنا کہ قرآن کی تعلیم چار آدمیون سے حاصل کرو اور امنین سب سے پہلے ابن مسعود کا نام"

یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ ان صحابہ مین کہین زید بن ثابت کا نام نہین اور نہ حضرت رسول اکرمؐ نے حافظ قرآن ہونے کی حیثیت سے کبھی انکی تعریف کی بلکہ انکی مدح مین جو فقرہ ائمہ حدیث نے نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ افرضکم زید بن ثابت "تم مین علم میراث کے جاننے والے سب سے زیادہ زید بن ثابت ہین" لیکن اسکو

حفظ قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اور پھر ترجمان القرآن عبد اللہ بن عباس نے تو مذکورۂ بالا خیال کا تار و پود بکھیر کر حقیقت کو بالکل واضح کر دیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ عرضۂ اخیرہ میں حاضر ہونے والے عبد اللہ بن مسعود تھے نہ زید بن ثابت چنانچہ ہم اس روایت کو استیعاب ابن عبد البر سے نقل کرتے ہیں۔

روی وکیع وجماعۃ معہ عن الاعمش عن ابی ظبیان قال قال لی عبد اللہ بن عباس ای القراءتین تقرأ قلت القراءۃ الاولی قراءۃ ابن ام عبد فقال لی اجل ھی الآخرۃ ان رسول اللہ صلعم کان یعرض القرآن علی جبرئیل فی کل عام مرۃ فلما کان العام الذی قبض فیہ رسول اللہ صلعم عرضہ علیہ مرتین فحضر ذلک عبد اللہ فعلم ما نسخ من ذلک وما بدل (مطبوعہ حیدرآباد ج ۱ ص ۳۷۲)

"وکیع اور ایک جماعت نے اعمش کی زبانی ابو ظبیان سے نقل کیا ہے کہ مجھ سے عبد اللہ بن عباس نے کہا تم کس قراءت کے ساتھ قرآن پڑھتے ہو میں نے کہا سب سے مقدم یعنی ابن مسعود کی قراءت۔ انھوں نے کہا ہاں وہی سب سے آخری بھی ہے جناب رسالت مآب جبرئیل کے ساتھ ہر سال ایک مرتبہ قرآن کا مقابلہ کرتے تھے لیکن جس سال حضرت کا انتقال ہوا تو دو مرتبہ قرآن کو پیش کیا گیا۔ اس موقع پر عبد اللہ موجود تھے اور جو کچھ تغیر و تبدل ہوا سب پر مطلع ہو

اسی کے مطابق حافظ جلال الدین سیوطی نے درمنثور مین حسب ذیل روایات نقل کئے ہین۔

(۱) اخرج ابن الانباری عن مجاھد قال قال لنا ابن عباس اىّ القراءتین تعدّون اوّل قلنا قراءة عبد اللّٰہ قال فان رسول اللّٰہ کان یعرض القران علی جبرئیل مرة وانہ عرضہ علیہ فی اٰخر سنتہ مرتین فقراءة عبد اللّٰہ اٰخر

"ابن انباری نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ہم سے ابن عباس نے کہا تم لوگ دونون قراءتون مین سے کس کو اول شمار کرتے ہو"

ہم نے کہا ابن مسعود کی قرارت کو فرمایا رسالتمآبؐ قرآن کا جبرئیل کیساتھ ایکمرتبہ مقابلہ کیا کرتے تھے اور اپنی زندگی کے آخری سال آپ نے دو مرتبہ اُنکے ساتھ مقابلہ کیا تو عبداللہ کی قرارت سب سے آخر تھی۔

(۲) اخرج ابن الانباری عن ابن مسعود قال کان جبرئیل یعارض النبیؐ بالقران فی کل سنة مرة وانہ عارضہ بالقرآن فی اٰخر سنتہ مرتین فاخذ تہ من النبیؐ ذلك العام

ابن مسعود کا خود بیان ہے کہ جبرئیل ہر سال قرآن کا ایک مرتبہ رسالتمآبؐ سے مقابلہ کراتے تھے اور انھون نے آخری سال دو مرتبہ مقابلہ کیا اور مین نے اس سال قرآن کو جناب رسالتمآبؐ سے اخذ کیا ہے۔

(۳) عن ابن مسعود قال لو اعلم احد احدث بالعرضۃ الاخیرۃ منّی لرحلت الیہ۔

"ابن مسعود کہتے تھے کہ اگر مین جانتا کوئی صحابی عرضۂ اخیرہ مین میرے بعد حاضر ہوا ہے تو مین ضرور اس کے پاس قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کو جاتا"

اب ان روایات کی موجودگی مین اس خیال کا کیا وزن باقی رہ سکتا ہو کہ عرضۂ اخیرہ مین شریک ہونے ولے زید بن ثابت تھے اور پھر جبکہ وہ کسی روایت کی طرف مستند نہین ہے بلکہ لوگون کا ذاتی خیال ہے جس کو ابن سیرین نے عرضۂ اخیرہ کی کیفیت کے بعد اس طرح بیان کیا ہو کہ۔

فیرون ان تکون قراءتنا ھذہ علی العرضۃ الاخیرۃ

"لوگون کا خیال یہ ہو کہ ہماری موجودہ قرارت اسی عرضۂ اخیرہ کے مطابق ہے (درمنثور ج ۱ ص ۱۰۶)

کوئی بتلائے کہ مذکورہ صورت حال مین آخر زید بن ثابت کے جمع کردہ قرآن پر تمام دوسرے صحابہ کی مخالفت کے باوجود اعتماد کی کیا وجہ ہے؟ اور پھر اعتماد بھی ایسا کہ جتنے قرآن دوسرے صحابہ کرام کے تھے وہ صفحۂ دنیا سے معدوم کردیئے جائین اور اونکو آگ کے اٹھتے ہوئے شعلون کی نذر ہونا پڑے۔

خیر ابھی تک واقعات کا سلسلہ یہان تک پہونچا کہ حضرت عثمان نے اسی قرآن کے اجزا کو جو حضرت ابوبکر کے زمانہ مین جمع کئے گئے تھے حفصہ کے پاس

سے منگا کر نقل کرا لیا تھا اور مقابلہ کے بعد حفصہ کو واپس کر دیئے گئے۔ اور اس طرح
دو نسخے اصل اور یہ تمام اُس کے نقول تھے جو مختلف بلاد کی جانب روانہ کیے گئے۔

لیکن اسکے بعد واقعہ کی نیرنگی زیادہ اور دیکھنے والے کی حیرانی میں اضافہ
ہو جاتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حفصہ بنت عمر کے انتقال کے بعد حضرت عثمان نے
وہ اجزائے قرآن جو اُنکے پاس موجود تھے عبد اللہ بن عمر سے بڑے اصرار کے
ساتھ منگوا کر اُنھیں پانی سے دھلوا ڈالا۔ اس واقعہ کا تذکرہ کتاب "التعریف
بالنبی والقرآن الشریف" مطبوعہ مصر صفحہ ۹۶ میں حسب ذیل الفاظ میں موجود ہے:
نسخوا المصحف واستعرضوہ مرة بعد اخری فلما لم یجدوا و اشتد ثم ارسل
عثمان الی ام المومنین حفصہ یسألها ان ترسل الیہ الصحف لعرض المصحف
علیها وحلف لها لیردنها الیها بعد مقابلة المصحف بها فاعطته ایاها
فعرض علیها المصحف فلم یختلفا فی شیء فردها الیها وطابت نفسہ بالفعل
وامر الناس ان یکتبوا مصاحف فلما ماتت حفصة ارسل عثمان الی
عبد اللہ بن عمر یطالب الصحف منہ بشدة فاعطاہ عبد اللہ
ایاها فغسلها غسلا۔

"اُن صحابہ نے مصحف کو لکھا اور چند مرتبہ اُس پر نظر کی گئی جب کوئی غلطی
نہ ملی تو عثمان نے ام المومنین حفصہ کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ اجزائے قرآن مجید بھیجدیں
تاکہ مصحف کا مقابلہ اُنکے ساتھ ہو جائے اور قسم کھائی کہ میں مقابلہ کے بعد واپس

کر دونگا چنانچہ حفصہ نے اُن کو بھیجد یا اور مصحف کا اُن سے مقابلہ کیا گیا تو ذرا سا بھی اختلاف دونون مین نہ نکلا۔ اُسوقت حضرتِ عثمان کو اطمینان حاصل ہوا اور لوگون کو حکم دیا کہ وہ اس مصحف کے نقول تحریر کرین جب حفصہ کا انتقال ہوا تو حضرتِ عثمان نے عبداللہ بن عمر کے پاس آدمی بھیجا کہ وہ اُن اجزا کو بھیجدین اور بڑی سختی کے ساتھ اُنسے مطالبہ کیا اُسوقت اُنھون نے (مجبور ہوکر) وہ اجزا بھیجدیے اور حضرت عثمان نے پانی سے اُنکو بالکل دھلوا ڈالا۔

دنیائے علم وتمدن کی سیر کرو شرق وغرب کے علمی ادارون پر نظر کرو اور علم دوست وعلم پرور اقوام کی جد وجہد کا جائزہ لو، تم کو اندازہ ہوگا کہ کسی کتاب کے اصلی نسخہ کی کتنی قدر وقیمت ہے اور اُس کا وجود اُس کے شایع شدہ نقول کے اعتبار مین کتنی بڑی اہمیت رکھتا ہے؟

ہزارون لاکھون روپیہ صرف کرکے مصنفین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریرین یا اُس زمانہ کے نقل شدہ نسخے یا قدیم سے قدیم کتبے حاصل کرنا اور اونکو نہایت اہتمام وانتظام کے ساتھ محفوظ رکھنا اسی غرض کے لیے ہے۔

کتاب کے قدیمی نسخہ کا جو کہین دستیاب ہوگیا ہے فوٹو چھاپ کر شایع کرنا جو اب مطابع یورپ وجرمن اور اونکی تقلید مین مصر وبیروت کا طرۂ امتیاز بنا ہوا ہے اسی لیے ہے کہ اُس مین کسی قسم کے تصرف وتغیر کے احتمال کا سد باب ہو جائے کیا اسکے برخلاف کوشش کے ساتھ نسخہ اصل کو حاصل کرکے تلف کردینا اور

اُس کو دنیا کی نظرون سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اوجھل بنا دینا کسی صحیح فلسفہ پر مبنی سمجھا جا سکتا ہے ؟ کیا اس وجہ سے قرآن مجید کے متعلق طرح طرح کے شبہے پیدا کئے جانے کا امکان نہ ہوگیا اور اُسکے سند و اعتبار کو صدمہ نہ پہونچا ؟ ؟ !

اور پھر اُس پر طرہ یہ کہ محدثین امت نے جو حفاظ و ائمہ و اصحاب سنن ایسے القاب سے سرفراز ہین اپنے جوامع حدیث و سیر مین ایسے روایات درج کردیے ہین جنمین حضرت عثمان اور اُنکے اشاعت دادہ موجود قرآن پر حسب ذیل الزامات عائد کئے گئے ہین (۱) یہ کہ اس قرآن مین کتابت کی غلطیان موجود ہین اور وہ اُسی غلط صورت پر متواتر ہوکر دنیائے اسلام مین شایع ہے (۲) یہ کہ حضرت عثمان کو خود بعض اغلاط کا احساس ہوا جس کو انھون نے پہلی فرصت مین تصحیح کرنے کی ضرورت نہ سمجھی بلکہ بعد کے حوالہ کیا جس کا پھر موقع نہ ملا اور وہ ابتک باقی ہین (۳) یہ کہ حضرت عثمان نے قرآن مین تغیر و تبدیل کی اور اُس کو پہلی صورت پر باقی نہین رکھا۔

اب کیا اگر اصلی نسخہ قرآن مجید کا یعنی حضرت ابوبکر کے زمانہ کا جمع کردہ موجود ہوتا تو حضرت عثمان اور اُنکی طرف منسوب شدہ قرآن پر سے ان الزامات کے رفع ہو جانے کا امکان نہ تھا ؟ کیا اُس صورت مین اگر ایک معترض کے دل مین مذکورۂ بالا احادیث کی بنا پر شبہہ پیدا ہوتا اور وہ تحقیق کے خیال سے اُن کی جستجو چاہتا تو اُسے اطمینان حاصل کرلینے کا ایک بہترین ذریعہ نہ موجود ہوتا ؟ یقیناً

اُس وقت ایک دلدادۂ تحقیق کے لئے بہترین صورت یہ تھی کہ وہ اُس قرآن کی مطابقت کرکے اُن تمام شکوک سے نجات پا جائے جو موجودہ قرآن کے متعلق پیدا ہوتے ہیں۔ پھر جب ایسا نہوا اور بڑی کاوش کے ساتھ اُس قرآن کو دنیا سے نابود کرنے کا انتظام کیا گیا تو کیا یہ صورت مذکورۂ بالا آیات کے مفاد کو زیادہ تقویت نہیں پہنچاتی اور اس طرح شکوک و شبہات کے دامن کو وسیع سے وسیع تر نہیں بناتی۔

قرآن میں کتابت کی غلطیاں

ملاحظہ ہو حافظ شام جلال الدین سیوطی کی کتاب اتقان فی علوم القرآن)

ج ۱ صفحہ ۱۸۳، ۱۸۴

قال ابو عبید فی فضائل القرآن حدثنا ابو معاویۃ عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ قال سألت عائشۃ عن لحن القرآن عن قولہ تعالی ان ھذا لساحران وعن قولہ تعالی والمقیمین الصلوۃ والموتون الزکوۃ وعن قولہ تعالی ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والصابئون فقالت یا ابن اختی ھذا عمل الکتّاب اخطئوا فی الکتاب۔ ھذا اسناد صحیح علی شرط الشیخین

"عروۃ بن زبیر کی روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے قرآن کی موجودہ غلطیوں کے متعلق سوال کیا جو ان آیات میں ہیں ان ھذا لساحران والمقیمین الصلوۃ والموتون الزکوۃ۔ ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والصابئون اُنھوں نے فرمایا اے فرزند خواہر یہ کاتبوں کی کارستانی ہے، اُنھوں نے کتابت

میں غلطی کی۔ سند اس روایت کی اُن شرائط کے مطابق جو شیخین (بخاری و مسلم) نے قرار دیے ہیں صحیح ہے۔

دوسری روایت قال (ابو عبید) حدثنا حجاج عن هرون بن موسی اخبرنی الزبیر بن الحارث عن عکرمۃ قال لما کتبت المصاحف عرضت علی عثمان فوجدت فیها حروفا من اللحن فقال لا تغیروها فان العرب ستغیرها او قال ستعربها بالسنتها لو ان الکاتب من ثقیف والمملی من هذیل لم توجد فیه هذه الحروف اخرجه ابن الانباری فی کتاب الرد علی من خالف مصحف عثمان وابن اشتۃ فی کتاب المصاحف ثم اخرج ابن الانباری نحوہ من طریق عبد الاعلی بن عبد اللہ بن عامر وابن اشتۃ نحوہ من طریق یحیی بن یعمر

عکرمہ کا بیان ہے کہ جب مصاحف لکھے گئے اور حضرت عثمان کے سامنے پیش ہوئے تو اُن میں بعض حروف غلط نظر آئے۔ عثمان نے فرمایا کہ اب انھیں تغیر نہ دو، عرب اہل زبان خود انھیں سمجھ کر تغیر دے لینگے۔ یا یوں کہا کہ وہ لوگ اپنے محاورہ کے مطابق خود بنا لینگے۔ اگر لکھنے والا قبیلہ ثقیف سے اور بولتا جانے والا قبیلہ ہذیل سے ہوتا تو یہ غلطیاں پائی نہ جاتیں۔ اس روایت کو ابن انباری نے اپنی کتاب میں اور ابن اشتہ نے کتاب المصاحف میں بھی دو دو طریقوں سے درج کیا ہے۔

تیسری روایت اخرج (ابن الانباری) من طریق ابی عشر عن سعید بن جبیر انہ کان یقرأ والمقیمین الصلوۃ ویقول ھو لحن من الکتاب۔

سعید بن جبیر والمقیمین الصلوۃ کو پڑھا کرتے تھے کہ یہ کاتبوں کی غلطی ہے اب کچھ نہ پوچھو کہ ان روایات کو نقل کرنے کے بعد کیا ہلچل مچی ہے۔ کوئی کہتا ہو کہ یہ احادیث تو بڑے مشکل ہیں بعض اصحاب نحوی غلطی کرسکتے ہیں۔ ان کے تو گھٹی میں فصاحت پڑی ہوئی تھی اُن سے غلطی کا امکان کہاں ہے۔

(کون کہے وہ ایسے فصیح اللسان تھے کہ ایک محاورہ سے دوسرے محاورہ پر اُنکی زبان نہیں پلٹتی تھی اسی لئے سات حرفوں کی ضرورت ہوئی اور پھر آخری دور میں فتوحات ایران کے بعد سے زبان پر اتنا اثر پڑا تھا کہ علم نحو کے وضع کی ضرورت محسوس ہوئی)

اور پھر خصوصیت سے قرآن مجید کو تو اُنھوں نے رسالتمآب سے تنزیل کے مطابق حاصل کیا تھا اور اُس کو پوری احتیاط کے ساتھ حفظ کرلیا تھا پھر اُس میں غلطی کیونکر کرتے۔

(تمام صحابہ کے متعلق یہ خیال غلط ہے کہ اُنھوں نے قرآن کو رسالتمآب سے حاصل کیا تھا، رہ گئے مخصوص لوگ جنھوں نے رسولؐ سے حقیقۃً قرآن اخذ کیا تھا وہ مذکورۂ بالا الفاظ پر متفق نہ تھے بلکہ اُنمیں پھوٹ پڑی ہوئی تھی چنانچہ تفسیر

خازن بغدادی مطبوعۂ مصر ج ۲ صـ ۶۲ مین ہی۔

والصابئون ظاہر الاعراب یقتضی ان یقال والصابئین وکذا قراءۃ ابی بن کعب وابن مسعود وابن کثیر من السبعۃ "صابئون ترکیب نحوی کا اقتضا، بظاہر یہ ہی کہ والصابئین ہو اور ابی بن کعب وابن مسعود اور قرا سبعہ مین سے ابن کثیر اسی طرح پڑھا کرتے تھے")

پھر یہ کیسے خیال کیا جا سکتا ہی کہ وہ سب غلطی پر مجتمع ہو گئے تھے اور اُنکو اسکے بعد خیال بھی نہ آیا کہ وہ اسکی اصلاح کرتے۔

(اتھوہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سو دو سو نمعلوم کتنے کاتب تھے جنکا اجتماع خطا پر محال ہے حالانکہ حقیقت یہ ہی کہ وہ چار سے زیادہ نہ تھے، کتابت کی غلطی سے کوئی عالم و فاضل فصیح بلیغ مستثنی نہین ہے۔ پہلے کاتب سے غلطیان ہوئین دوسرون نے اُسی کا اتباع کیا۔ لکھتے وقت لکھنے والے کی توجہ زیادہ تر نقل نویسی کی طرف اس طرح منعطف ہوتی ہے کہ اُس کو اکثر الفاظ کے معانی کا تصور بھی نہین ہوتا اور پھر جبکہ پہلی کتابت کے ساتھ حسن ظن بھی آتنا ہو کہ منظور یہ ہے کہ دوسرا نسخہ اُسکے بالکل مطابق ہو اور ایک شوشہ کا اختلاف نہونے پائے جسکی تصدیق اُس رسم الخط سے ہوتی ہے جو قرآن کی کتابت مین رائج ہے، حالانکہ اُس مین بعض چیزین یقیناً قواعد کتابت کے خلاف ہین جیسے لاذبحنہ اور لااوضعوا وغیرہ کر گیا مجال کہ کاتبان قرآن اس الف کو ترک کر دین) پھر یہ کیونکر گمان کیا جا سکتا ہی

کہ حضرت عثمان اُسکے تغیر دینے سے منع کرتے۔

(کسی کتاب کی تصحیح کے وقت خصوصًا جبکہ تعجیل مدنظر ہو اس امر کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ ایسی غلطیاں جنکا اندازہ مطالعہ کرنے والوں کو ذرا دقت سے ہوتا ہے دور کردی جائین لیکن ایسی صریحی غلطیاں جنکو ہر شخص دیکھکر سمجھ سکتا ہے ترک کردی جاتی ہین کہ دیکھنے والا خود ہی انکی تصحیح کر لے گا، حضرت عثمان کے جواب مین یہی خیال مضمر معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہین کہ ان غلطیون کی تصحیح کی ضرورت نہین۔ عرب اہل زبان ہین وہ خود انکا احساس کرکے انھین اپنے محاورہ کے مطابق درست کرلین گے لیکن انھین کیا خبر تھی کہ عام افراد اہل اسلام پر اُنکے اور اُنکے مامور کردہ جامعین قرآن کے ساتھ حسن ظن کچھ ایسا غالب آجائیگا کہ وہ اس کو تو اس کو جو اس سے زیادہ معمولی غلطیاں ہین جیسے لااذبحنّہ کا الف اُس کو بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باقی رکھکر ابتدائی جمع قرآن کی یادتازہ رکھین گے)

پھر کیونکر گمان ہوسکتا ہے کہ قرارت اسی غلطی کے موافق باقی رہی حالانکہ وہ برابر تواتر کے ساتھ نقل ہوتا رہا ہے (یہ اُسی صورت سے باقی رہی کہ جیسے املار کی غلطیاں برابر باقی رہین اور وہ تواتر کے ساتھ اب تک موجود ہین) یہ ایسی بات ہے جو عقلاً اور شرعًا اور عادةً محال ہے" (غور کرنے کی ضرورت ہے ورنہ مذکورۂ بالا وجوہ واشباہ اور نظائر کو دیکھتے ہوئے وہ کسی حیثیت سے محال نہین ہے)

کوئی کہتا ہے کہ یہ روایات ضعیف السند ہیں قابل عمل نہیں کسی کا خیال ہے کہ لحن سے مراد وہ مقامات ہیں جہاں رمزو کنایہ کے طور پر مطالب ذکر ہوئے ہیں کسی کا مقولہ ہے کہ غلطیوں سے مراد املاء کی غلطیاں ہیں جیسے لا اذبحنّہ وغیرہ اور انکے تصحیح کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی لیکن علامہ سیوطی نے ان جوابات کے نقل کرنیکے بعد لکھدیا ہے ھذہ الاجوبۃ لایصلح منھا شیئی عن حدیث عائشۃ اما الجواب بالتضعیف فلان اسنادہ صحیح کما تری واما الجواب بالرموز وما بعدہ فلان سؤال عروۃ عن الاحرف المذکورۃ لایطابقہ۔

"ان جوابوں میں سے کوئی بھی حضرت عائشہ کی حدیث کے متعلق صحیح نہیں ہے اس لئے کہ سند اسکی صحیح ہے لہذا ضعف سند کا بہانہ ہو نہیں سکتا اور رمز و اشارہ والے جواب کا بھی موقع نہیں کیونکہ اس میں عروہ کا سوال خاص آیات کے متعلق ہے جن میں اعراب کی غلطیوں کا اظہار کیا گیا تھا۔

ابن اشتہ کہتے ہیں کہ مراد حضرت عائشہ کی یہ ہے کہ ان لوگوں نے قرارات سبعہ میں سے موجودہ قرارت کے انتخاب میں غلطی کی ہے نہ یہ کہ جو موجودہ قرارت ہے وہ بالکل غلط اور نا جائز ہے"

لیکن سوال وجواب پر نظر ڈالنے سے یہ تاویل بالکل باد رہوا ثابت ہوتی ہے عروہ بن زبیر نے مذکورہ بالا آیات میں غلط اعرابی کے متعلق سوال کیا تھا حضرت عائشہ فرماتی ہیں ۔ھذا عمل الکتاب "یہ کاتبوں کی کارستانی ہے" اگر موجودہ الفاظ بھی

حروف سبعہ مین سے ہوتے اور حروف سبعہ کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے نازل شدہ ہین تو وہ کاتبون کی کارستانی نہین کہے جا سکتے بلکہ وہ بھی خدا کی نازل کردہ ہین۔ اسکے متعلق یہ جواب کافی تھا کہ یہ بھی بعض لغات عرب مین محاورہ ہے اور اس بنا پر حروف سبعہ مین سے ایک حرف کے مطابق ہے اور پھر انتخاب قرات مین غلطی یہ جامع قرآن یا اختیار کنندگان سے تعلق رکھتی ہے۔ اسکو کاتبون کی طرف منسوب کرنے کے کوئی معنی نہین۔

بعض نے گھبرا کر آیات مذکورہ کی توجیہ کے لئے سیبویہ و اخفش و خلیل وغیرہ کو اکٹھا کرنا اور کلیات ابوالبقار کو الٹنا شروع کر دیا ہے اور مندرجہ الفاظ کی توجیہ کے لیے نحویین کے اقوال و احتمالات سے مدد لی ہے لیکن افسوس ہے کہ ان اقوال و توجیہات مین سے کوئی بھی حضرت ام المومنین عائشہ کی روایت کا درمان نہین ہے بلکہ درحقیقت ان تاویلات مین حضرت ام المومنین کے ارشاد کی تکذیب اور انکی خدمت مین سوء ادب مضمر ہے۔ کیا وہ معظمہ قواعد عرب اور اصول نحو سے واقف نہ تھین یا وہ جان بوجھ کر حضرت عثمان کی عداوت مین صحیح الفاظ کو غلط تبلا رہی تھین؟

درحقیقت یہ قواعد و اصول تو بعد مین ایجاد ہوئے ہین اور اکثر خود قرآن مجید کے آیات کو دیکھ کر وہان سے استنباط کئے گئے اور حضرت ام المومنین عائشہ اپنی ذاتی اطلاع کی بنا پر الفاظ مذکورہ کو غلط نویس کاتبون کی کارستانی تبلا رہی تھین پھر موصوفہ کے قول کے سامنے نحویین کے توجیہات پیش کرنے سے کیا نتیجہ؟

چوتھی روایت
تحریف کا صریحی اقرار

الامام احمد فی مسندہ وابن اشتہ فی المصاحف من طریق اسماعیل المکی عن ابی خلف مولی بنی جمح انہ دخل مع عبید بن عمیر علی عائشۃ فقال جئت اسألک عن آیۃ فی کتاب اللہ تعالی کیف کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرءھا قالت ایۃ آیۃ قال الذین یاتون ما اتوا او الذین یؤتون ما اتوا قالت ایتھما احب الیک قلت والذی نفسی بیدہ لاحدھما احب الی من الدنیا جمیعا قالت ایھما قلت الذین یاتون ما اتوا فقالت اشھد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذلک کان یقرأھا وکذلک انزلت ولکن الھجاء حرف۔

امام احمد بن حنبل نے مسند مین اور ابن اشتہ نے کتاب المصاحف مین اسمٰعیل کی کے طریق سے ابو خلف جمحی سے روایت کی ہے کہ وہ عبید بن عمیر کی معیت مین حضرت عائشہ کے پاس گئے اور کہا کہ اس آیت کے متعلق دریافت کرنے آیا ہون کہ رسالتمآبؐ اس کو کیونکر پڑھا کرتے تھے "الذین یاتون ما اتوا" یا "الذین یؤتون ما اتوا"۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ تمھین زیادہ کیا اچھا معلوم ہوتا ہے انھون نے کہا الذین یاتون ما اتوا۔ معظمہ نے فرمایا مین گواہی دیتی ہون کہ مین نے جناب رسالتمآبؐ کو اسی طرح پڑھتے سنا اور وہ اسی طرح نازل ہوئی تھی لیکن حروف ہجا مین الفاظ کے تحریف کردی گئی ہے۔

پانچوین روایت ابن جریر وسعید بن منصور فی سننہ من طریق

سعید بن جبیر عن ابن عباس فی قولہ حتی تستانسوا وتسلموا قال انما ھی خطأ من الکاتب حتی تستأذنوا وتسلموا۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ حتی تستأنسوا وتسلموا کاتب کی غلطی ہے اصل یون ہو کہ حتی تستاذنوا وتسلموا

چھٹی روایت ابن انباری نے بطریق عکرمہ ابن عباس سے روایت کی ہو کہ اُنھون نے یہ آیت پڑھی افلم تیبین الذین اٰمنوا ان لو یشاء اللہ لھدی الناس جمیعاً کسی نے کہا کہ مصحف مین تو یون ہو کہ افلم ییئس الذین اٰمنوا الخ ابن عباس نے کہا اظن الکاتب کتبہا وھو ناعس میرا خیال یہ ہے کہ کاتب نے اس جملہ کو بینک مین لکھا ہے۔

ساتوین روایت سعید بن منصور من طریق سعید بن جبیر عن ابن عباس انہ کان یقول فی قولہ تعالیٰ وقضی ربک انما ھی ووصّی ربک التزقت الواو بالصّاد۔

ابن عباس اس آیت کے متعلق کہ وقضی ربک کہتے تھے یہ اصل مین ووصّی ربک تھا کتابت مین واو صاد سے متصل ہو گیا۔

ابن اشتہ نے اس کو بایں الفاظ نقل کیا ہے کہ استمدّ الکاتب مداداً کثیراً فالتزقت الواو بالصاد

"کاتب نے روشنائی قلم مین زیادہ لے لی جس کی وجہ سے واؤ صاد سے

متصل ہو گیا۔

آٹھویں روایت

ابن اشتہ نے ضحاک سے روایت کی ہے کہ انھوں نے قرآن میں اس آیت کو لکھا کر کسی کے سامنے پیش کیا کہ تم اسے کیونکر پڑھتے ہو؟ اس نے کہا وقضی ربک۔ ضحاک نے کہا کہ ہم تو اس طرح نہیں پڑھتے اور خدا ابن عباس بلکہ اصل میں یہ ووصی ربک ہے اور یونہی وہ ہمیشہ پڑھی اور لکھی جاتی تھی (یعنی حضرت عثمان والے جمع قرآن کے قبل) لیکن کاتب نے روشنائی قلم میں زیادہ ڈالی جس سے واؤ صاد سے متصل ہو گیا جس طرح خدا نے فرمایا ہے ولقد وصینا الذین اوتوا الکتب من قبلکم وایاکم ان اتقوا اللہ۔ اور بھلا اگر خداوند عالم کے قضا و قدر میں کہہ دیا کہ لوگ عبادت کریں تو کوئی اس کی قضا کی مخالفت کر سکتا ہے بلکہ یہ درحقیقت ہدایت ہے جو اس نے بندوں کو کی ہے

نویں روایت

سعید بن منصور وغیرہ من طریق عمرو بن دینار عن عکرمة عن ابن عباس انہ کان یقرأ ولقد آتینا موسی وہرون الفرقان ضیاء ویقول خذوا ہذہ الواو واجعلوہا ہہنا والذین قال لہم الناس ان الناس قد جمعوا لکم الایۃ

"ابن عباس اس آیت کو پڑھتے تھے کہ ولقد آتینا موسی وہرون الفرقان ضیاء اور کہتے تھے کہ اس واؤ کو یہاں سے اٹھا کر اس جگہ کر دو کہ

والذین قال لہم الناس ان الناس قد جمعوا لکم

اسکے معنی یہ ہین کہ ولقد آتینا والی آیت کے شروع مین واؤ زیادہ اور

الذین قال لہم الناس مین واؤ کم ہے

دسوین روایت

ابن عباس کا بیان ہے کہ مثل نورہ کمشکوٰۃ مین کاتب سے غلطی ہوئی ہے خدا کی شان اس سے بلند ہے کہ اسکے نور کی مثال مشکوٰۃ ہو بلکہ اصل یہ آیت اس طرح تھی کہ مثل نور المومن کمشکوٰۃ ابن اشتہ نے ان تمام اخبار کو نقل کر کے کہا ہے کہ انسے مراد وہی تعیین قراءت مین غلطی ہے نہ یہ کہ جو کچھ موجود ہے وہ غلط اور نا قابل عمل ہے لیکن افسوس ہے کہ روایات کے الفاظ اس تاویل سے بہت دور ہین۔

وہ فرماتے ہین کہ قلم مین روشنائی زیادہ آگئی واؤ صاد سے مل گیا جس کی بنا پر ووصی کا وقضی ہو گیا۔ یہ فرماتے ہین کہ یہی تعیین قراءت مین غلطی ہوئی وہ فرماتی ہین کہ حروف آیت مین تحریف ہوئی، انکا ارشاد ہے یعنی تعیین قراءت مین غلطی ہوئی وہ کہتے ہین کہ وقضی ربک غلط ہے اس لئے کہ قضا کے بعد تخلف کیسا؟ یہ کہتے ہین یعنی وہ بھی خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے لیکن تعیین مین اس کا انتخاب کرنا غلطی تھی۔

کیا تاویلات ایسے ہی ہونا چاہئین جیسے الفاظ بہت شدت سے انکار رکھتے ہون۔

ابن انباری نے ان روایات کے خلاف قدح کا حربہ تیز کیا ہے اور سب کا جواب یہی دیا ہے کہ وہ ضعیف السند ہیں لہذا قابل اعتبار نہیں مگر یہ ایسا جواب ہے کہ حافظ سیوطی بھی اس سے راضی نہیں اور وہ ان دونوں جوابوں کے نقل کے بعد فرماتے ہیں والجواب الاول اولی واقعد "پہلا جواب بہتر اور زیادہ دلنشین ہے"

لیکن ہم نے پہلے جواب کی حقیقت واضح کردی، اب رہی تضعیف وہ اس کثرت اسناد اور تعدد روایات کی بنا پر جو حد تواتر سے بڑھ گئی ہے اعتبار کی مستحق نہیں ہے۔

قرآن میں تغیر و تبدیل اور بالفاظ دیگر تحریف

قال (ابو عبید) حدثنا حجاج عن ابن جریج اخبرنی ابن ابی حمید عن حمیدة بنت ابی یونس قالت قرأ علی ابی وهو ابن ثمانین سنة فی مصحف عائشة ان الله وملئکته یصلون علی النبی یا ایها الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما وعلی الذین یصلون الصفوف الاول قالت قبل ان یغیر عثمان المصاحف۔

حمیدہ بنت ابی یونس کا بیان ہے کہ میرے سامنے ابی بن کعب نے جبکہ وہ کبیر السن اسی برس کی عمر کے تھے مصحف عائشہ میں یہ آیت اس طرح پڑھی تھی کہ ان الله وملئکته یصلون علی النبی یا ایها الذین آمنوا صلوا علیه

وسلموا تسلیما وعلی الذین یصلون الصفوف الاول۔ کہا یہ اسوقت کا ذکر ہی کہ جب تک حضرت عثمان نے مصاحف مین تغیر و تبدیل نہین کی تھی۔

(اتقان سیوطی ج ۲ صفحہ ۲۵)

روایت سے صاف ظاہر ہے کہ وعلی الذین یصلون الصفوف الاول کا فقرہ جناب عائشہ کے مصحف مین موجود تھا اور حضرت عثمان نے مصاحف مین تغیر و تبدیل فرمائی تھی۔ اسکے ساتھ تحریف و تغیر کی نوعیت تبلائی نہین گئی اور یہ کہ اسکا اثر احکام الٰہیہ پر پڑا تھا یا نہین؟

بیشک علامہ سیوطی نے اس خبر کو نسخ تلاوت کے ذیل مین درج کیا ہی لیکن یہ ایک خیال ہے جسکا وزن خطأ اجتہادی سے زیادہ نہین ہے۔ اگر آیت منسوخ التلاوۃ ہوتی تو حضرت عائشہ اُس کو اپنے مصحف مین کیون باقی رہنے دیتین حالانکہ اُن معظمہ کا ساتھ جناب رسالتمآب کا آخری وقت تک رہا تھا لھذا عرضۂ اخیرہ کی خبر اُن سے بڑھ کر کس کو ہوسکتی تھی؟ اور ابی بن کعب اُس کو کیون تلاوت کرتے جبکہ وہ اقرأ الصحابہ اور بنص حضرت عمر سید القراء تھے اور پھر حضرت عثمان کی طرف اس تغیر کی نسبت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ زید بن ثابت کی پہلی مرتبہ جمع قرآن کرنے مین موجود تھی اور نیز اس لیئے کہ اگر زید والے قرآن مین نہ ہوتی تو حضرت عائشہ کا مصحف اُس پر مشتمل نہ ہوتا کیونکہ مصحف حضرت عائشہ اُس جمع قرآن کے موقع پر موجود نہ تھا ورنہ حضرات شیخین کو اس کاوش کی ضرورت نہ پڑتی

اور نہ قرار کے قتل ہونے سے اُسکے تلف کا خوف پیدا ہوتا بلکہ یقیناً یہ صحف اُسکے بعد لکھا گیا ہے اور چونکہ وہ صحف حضرت ابوبکر ہی کے پاس موجود تھے اور وہی اُنکے جمع وتدوین کے بانی تھے اور حضرت عائشہ کے کتابت مصحف کے وقت کسی خاص جمع وتدوین کا پتہ بھی نہیں ہے اس بناء پر یقیناً حضرت عائشہ کا مصحف اُنہی صحف کی مطابقت سے تھا پھر اگر وہ منسوخ التلاوۃ تھی تو عرضۂ اخیرہ میں حاضر ہونے والے زید بن ثابت ہی اُسکو قرآن میں درج کیوں کرتے جو نوبت حضرت عثمان تک پہونچتی اور اُنھیں اس تغیر وتبدیل کی ضرورت محسوس ہوتی۔

قرآن کا ایک حصہ ضائع ہوا

حدثنا ابن ابی مریم عن ابن لہیعۃ عن ابی الاسود عن عروۃ بن الزبیر عن عائشۃ قالت کانت سورۃ الاحزاب تقرأ فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مائتی آیۃ فلما کتب عثمان المصاحف لم یقدر منہا الا علی ما ہو الآن۔

عروہ بن زبیر حضرت عائشہ کی زبانی ناقل ہیں کہ آپ فرماتی تھیں سورۂ احزاب جناب رسالتمآب کے زمانہ میں دوسو آیتوں کا پڑھا جاتا تھا لیکن جب حضرت عثمان نے مصاحف کو لکھا تو اُنھیں نہ مل سکا مگر اتنا ہی کہ جو اب موجود ہے۔

(اتقان صفحہ مذکورہ)

اس روایت کے الفاظ کو بھی نسخ تلاوت سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے کہ حضرت عائشہ بقیہ حصہ کے عدم مندرج ہونے کی وجہ عجز وقصور اور دستیاب نہ ہوسکنے کو

قرار دیتی ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافی جستجو کی گئی کہ اگر کچھ اور آیات اس سورہ کے متعلق دستیاب ہوں تو وہ درج کئے جائین لیکن اس سے زیادہ نہ مل سکے۔ اگر اس حصہ کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ منسوخ التلاوہ ہے تو زید بن ثابت صاحب عرضۂ اخیرہ اس امر پر مطلع ہوتے اور ان آیات کو ڈھونڈھنے جستجو کرنے کی ضرورت ہی نہ محسوس ہوتی تاکہ تذبذب مین پاس وحران سے دوچار ہونا پڑے بلکہ وہ آیات اگر سامنے موجود ہوتے تب بھی درج نہ کئے جاتے لہذا درج نہ کئے جانے کا سبب یہ تھا کہ وہ دستیاب نہ ہوسکے اس امر کی صریحی دلیل ہے کہ وہ آیات منسوخ التلاوۃ نہ تھے بلکہ اگر دستیاب ہوتے تو ضرور درج کرنیکے قابل تھے۔

یہ خیال کہ کسی آیت کا صحابہ کے ذہن سے نکلجانا اور انکا اسے فراموش کر دینا ہی اسکے منسوخ التلاوہ ہونے کی سند ہے واقعیت سے کوسون دور ہے انسان عجز و قصور کا مجسمہ اور اسکی طبیعت نقائص کا مجموعہ ہے سہو و نسیان اسکے فطری عوارض مین سے ہے جو طویل عرصہ تک بے توجہی اور عدم مزاولت کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ اسکی ذمہ داری خداوند عالم پر عائد کرنا غلط ہے۔

صحیح بخاری سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نسیان سے رسالتمآب بھی مستثنے نہ تھے چنانچہ اس مین "باب نسیان القرآن" مین یہ حدیث موجود ہے حدثنا احمد بن ابی رجاء قال حدثنا ابو اسامة عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة قالت سمع رسول الله صلے الله عليه وسلم رجلا يقرأ فی سورة بالليل فی المسجد فقال

یرحمہ اللہ لقد اذکرنی کذا وکذا ایۃ کنت انسیتھامن سورۃ کذا وکذا

"حضرت عائشہ کا بیان ہی کہ جناب رسالتمآب نے ایک شخص کو شب کے وقت ایک سورہ پڑھتے سنا حضرت نے فرمایا خدا اس پر رحمت نازل کرے اس نے مجھ کو فلان فلان آیتین فلان فلان سورہ کی یاد دلا دین جنکو مین بھول گیا تھا"

(مطبوعہ کرزن پریس صـ۷۵۳)

اور اس مضمون کی متعدد حدیثین اس باب مین اور باب من لم یرباسا

ان یقول سورۃ البقرۃ وسورۃ کذا مین مذکور ہین پھر جب رسالتمآب کا نسیان بعض آیات کو ان آیات کے منسوخ التلاوۃ ہونے کی دلیل نہو اور نہ رسالتمآب ان آیات کے یاد آجانے پر اظہار مسرت نہ فرماتے تو کسی اور کا نسیان وہ نسخ تلاوت کی دلیل کب ہوسکتا ہے؟

اور پھر تلف کے اسباب سہو و نسیان ہی مین منحصر نہین بلکہ دوسری صورتین بھی تھین جنمین سب سے اہم حفاظ قرآن کا لڑائیون مین شہید ہوجانا ہے جس کی بنا پر حضرت عمر کو قرآن مجید کی جمع آوری کا خیال پیدا ہوا تھا چنانچہ اتقان ج ا صـ۵۹ مین ہے

اخرج ابن ابی داؤد من طریق الحسن ان عمر سأل عن ایۃ من کتاب اللہ فقیل کانت مع فلان قتل یوم الیمامۃ فقال انا للہ وامر بجمع القرآن۔

"حسن کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے ایک آیت کے متعلق دریافت کیا معلوم ہوا کہ وہ فلان صحابی کے پاس تھی جو جنگ یمامہ مین قتل ہوگئے، یہ سنکر آپنے (متاسفانہ)

کہا انا للہ وانا الیہ راجعون اور جمع قرآن کا مشورہ دیا۔"

علامۂ سیوطی اس روایت کے متعلق فرمائین کہ منقطوع الاسناد ہے لیکن وہ اس کو کیا کرینگے کہ اس کا مضمون صحیح بخاری کی اس حدیث سے بالکل موافق ہے جس مین حضرت عمر کا گھبرا کر حضرت ابوبکر کی خدمت مین آکر کہنا مذکور ہے کہ غضب ہو گیا روز یمامہ بہت سے حفاظ قرآن مارڈالے گئے اور اگر اسی طرح دو تین لڑائیون مین حفاظ قرآن کام آئے تو کثیر حصہ قرآن کا ہاتھ سے جاتا رہیگا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حفاظ قرآن کی شہادت سے آپکو کثیر مقدار مین قرآن مجید کے تلف کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کیا اس صورت سے جو اجزائے قرآن تلف ہون وہ بھی منسوخ التلاوۃ سمجھے جائینگے تو پھر حضرت عمر کو فکر ہی کیا تھی؟ جتنے آیات منسوخ ہونے والے تھے وہ تلف ہو جاتے اور جو کچھ باقی رہتا وہ ہی مکمل قرآن سمجھا جاتا لیکن ایسا نہین ہے۔ درحقیقت اس قسم کے حوادث سے قرآن مجید کی اصلیت پر کوئی اثر نہین پڑسکتا اور نہ اُنکو نسخ تلاوۃ سے کوئی تعلق ہے۔

دوسری روایت قال ابو عبید حدثنا اسمٰعیل بن ابراهیم عن ایوب عن نافع عن ابن عمر قال لیقولن احدکم قد اخذت القرآن کلہ ومایدریہ ما کلہ قد ذهب منہ قرآن کثیر ولکن لیقل قد اخذت ماظهر۔

"حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہین کہ تم مین سے ہر شخص کہتا ہوگا کہ مین نے

پورا قرآن حاصل کر لیا، حالانکہ اُسے کیا معلوم پورا قرآن کیا چیز ہے؟ اُس میں
کا اکثر حصہ تلف ہو گیا ہے۔ بیشک یہ کہنا چاہیے کہ قرآن میں سے جتنا ظاہر ہوا
اُس کو ہمیں نے لے لیا ہے (اتقان ج ۲ ص ۲۵)

دو نسخِ تلاوت والا دار جو ہر روایت کے متعلق ہوا ہے اگرچہ ہمیشہ خالی جاتا
ہے بھلا اس روایت کے مقابل کیونکر ہو سکتا ہے چنانچہ فقد ذهب منه قرآن كثير کے
معنی یہ لیے گئے کہ یعنی اکثر حصہ اس کا منسوخ التلاوۃ ہو گیا ہے لیکن معنی شناس افراد
اس تاویل کی سبکباری کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

ایک تو منسوخ التلاوۃ ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ وہ آیت بحکم الٰہی قرآن
سے خارج کر دی گئی پھر اُس کی بنا پر اس ممانعت کے کوئی معنی نہیں کہ قرآن کا کل
موجود ہونے کا اپنے پاس ادعا نہ کرو، حضرت عبداللہ بن عمر ایسے فقیہ کی طرف اس
بے بنیاد حکم کی نسبت قابل تسلیم نہیں ہو سکتی۔

پھر اس کے مقابل میں یہ کہنے کی ہدایت کہ قد اخذت منه ما ظهر نسخِ تلاوت
پر منطبق نہیں ہے اسلئے کہ ظہور مقابل خفا ہے اور خفا، وجود پر موقوف یعنی اکثر حصہ قرآن
کا مخفی رہا اور ہم تک نہ پہونچ سکا جو کچھ پہونچا وہ ہم نے لے لیا، نسخ بمعنی ازالہ ہے
و اُس کا مقابل بقا ہے نہ ظہور۔ بیشک یہ کہنا اس صورت میں صحیح تھا کہ
قد اخذت منه ما بقي۔

پھر ذہاب کے معنی کو نسخِ تلاوت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ ذہاب کی لفظ

وہی ہے جو حدیث جمع قرآن میں حضرت عمر کی زبانی بایں الفاظ مذکور ہے:

انی اخشیٰ ان یستحر القتل بالقرآء فی المواطن فیذھب کثیر من القرآن

"مجھ کو خوف ہے کہ لڑائیوں میں حفاظ اسی صورت پر مار ڈالے جائیں تو بہت سا قرآن ہاتھ سے جاتا رہے"

یہاں ذہاب کے معنی تلف کے سوا کچھ اور نہیں اور یہ لفظ اسی عبارت کیساتھ عبداللہ بن عمر کے قول میں مذکور ہے وہ فرماتے ہیں قد ذھب منہ قرآن کثیر لہذا اسکے بھی معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ بہت سا قرآن ہاتھ سے جاتا رہا یعنی تلف ہو گیا۔

مذکورۂ بالا تصریحات کا نتیجہ مذکورۂ بالا تمام بیانات سے حسب ذیل نتیجہ برآمد ہوتے ہیں:-

(۱) قرآن مجید رسالتمآب کے زمانہ میں جمع نہ ہوا تھا بلکہ وہ متفرق کاغذ کے پرزوں پتھر کے ٹکڑوں اور اسی قسم کی چیزوں پر درج تھا۔

(۲) رسالتمآب کی وفات کے بعد جبکہ ایک کثیر جماعت حفاظ قرآن میں کی قتل ہو چکی اسوقت جمع قرآن کا خیال پیدا ہوا۔

(۳) جمع و ترتیب کا کام ذاتی اعتماد کی بنا پر انفرادی حیثیت سے زید بن ثابت کے سپرد کر دیا گیا اور اس طرح اسکی تمام ذمہ داری صرف زید کی طرف عائد قرار پاتی ہے۔

(۴) زید بن ثابت دو گواہوں کی تصدیق کے بعد آیت کو درج کرتے تھے

اس سے ان آیات کے تواتر کو صدمہ پہونچتا ہے اور نیز وہ آیات درج ہونے سے رہ گئے جن پر شہادت عدلین حاصل نہ تھی لہذا اس مجموعہ کے مکمل ہونے کا یقین کیونکر ہو؟

(۵) قرآن کا نظم ونسق اصلی ترتیب قرآن سے بالکل مخالف ہے سورون مین آگے کا پیچھے اور پیچھے کا آگے اور نیز آیات مین مقدم کا موخر اور موخر کا مقدم ہو گیا ہے۔

(۶) قرآن مجید سات حرفون پر نازل کیا گیا تھا جنکے اعتبار سے صحابہ کی قرارت مین بھی اختلاف تھا لیکن حضرت عثمان نے چھ حرفون کو ساقط کر کے تمام صحابہ کو ایک ہی قسم کی قرارت کا پابند بنا دیا۔

(۷) موجودہ قرآن مین تبصریح حضرت عائشہ وابن عباس وغیرہ کتابت کی غلطیان پائی جاتی تھین جنکی اصلاح نہو سکی اور وہ اسی غلط صورت پر حد تواتر کو پہونچ گیا۔

(۸) مصاحف قرآنیہ مین تغیر و تبدیل ہو گئی تھی جسکے مقامات کا علم بھی نہین ہے

(۹) قرآن سے کثیر حصہ ساقط ہو گیا ہے اور مکمل قرآن موجود نہین ہے۔

اب ان نتائج کے مطابق جنمین سے ایک حرف بھی میرا طبعزاد نہین ہے اور نہ یہ ضروری ہی ہے۔ مین ان تمام سے متفق ہون بلکہ وہ تمام اُن احادیث و روایات کا لب لباب ہی جو مستند جوامع حدیث وکتب برادران اہل سنت مین

مذکور ہین کیا ایمان بالقرآن کا دعوےٰ عقل و منطق کی رو سے حق بجانب ہی؟

معیار اعتبار پر ایک عمیق نظر ڈالو اور ان روایات کو اس معیار پر منطبق کرو!

پہلا جزو یہ کہ "کسی جزو مین بھی تحریف و تغییر کا یقین کیسا احتمال بھی نہو"

ان روایات سے رخصت ہو گیا جن مین صاف طور پر اس قرآن مین تغییر و تبدیل اور اغلاط کتابت اور حذف و اسقاط کا اعتراف کیا گیا ہے۔

دوسرا جزو یہ تھا کہ "اگر تحریف و تغییر کا وجود ثابت ہو تو مستند وجوہ کی بنا پر اُن مقامات کی تعیین ہو جہان وہ تغییر ہوا ہے یا اُن مطالب کی نوعیت معلوم ہو جنکا اسقاط عمل مین آیا ہے اور باقی کے متعلق کوئی قطعی ضمانت ہو جو اسکے کلام الٰہی اور واجب العمل ہونے کی دلیل ہو" لیکن یہان ایسا بھی نہین حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہین کہ کثیر حصہ قرآن کا ہاتھ سے جاتا رہا لیکن یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ کثیر حصہ آیات قصص و مواعظ وغیرہ مین کا تھا یا آیات احکام؟

اور اُسکے ساقط ہو جانے سے موجودہ آیات کے معانی و مطالب پر کچھ اثر پڑا یا نہین اسلیئے کہ اکثر ایک ایک کے معنی مین دوسرے آیات کے ضمیمہ سے عظیم انقلاب پیدا ہو جایا کرتا ہے۔

اسی طرح حضرت ام المومنین عائشہ نے یہ فرما دیا کہ سورۂ احزاب دو سو آیتون سے زیادہ تھا مگر اُن آیات کی نوعیت کچھ نہ بتلائی۔ اس تحریف و تغییر اور حذف و اسقاط کی اجمالی اطلاع سے کیا ہر ہر جزو مشکوک نہوگا اور پھر جبکہ موجودہ باقی حصہ کی

صحت کے لئے کوئی قطعی دلیل بجز تسلیم شدہ عقائد کی بنا پر موجود نہیں ہے اسلئے کہ فرزندانِ اسلام کی اکثریت نے رسول کے بعد کسی معصوم شخص کے وجود کو ضروری نہیں سمجھا ہے جو اسلام و آثارِ اسلام کا حقیقی محافظ ہو بلکہ وہ تمام اشخاص کو جائز الخطا سمجھتے ہیں اور جائز الخطا اشخاص کا نتیجۂ عمل قطعی طور پر خطا کے احتمال سے بے نیاز نہیں ہوسکتا لہٰذا اس بنا پر ایمان بالقرآن کا مسئلہ کیسا رہ جاتا ہے؟ کچھ نہیں!

لیکن باوجود اسکے ہمیں اس امر کا حق نہیں رہتا کہ کسی کے ایمان بالقرآن کی نفی کریں اور نہ جیسا کہ تمہید میں کہہ چکا ہوں میں نے اس مقصد کیلئے قلم اٹھایا ہے۔

ہمارے سوادِ اعظم کے پاس ایک بنیاد موجود ہے جس پر وہ ایمان بالقرآن کی عمارت قائم کرسکتے ہیں اور وہ حسنِ ظن صحابۂ کرام کے ساتھ ہے یہ وہ مضبوط اساس ہے جو ان کے خلافت ایسے اہم مسئلہ کی بنیاد قرار پائی ہے چنانچہ مصنف التحفہ اثنا عشریہ نے کتاب مراتب میں حضرت علیؑ کی افضلیت کے دلائل نقل کرنے کے بعد سلسلۂ جواب حسبِ ذیل عبارت تحریر فرمائی ہے۔

نحن وجدنا الساداتِ قالوا ان الافضل ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی وحسن الظن بهم یقتضی ان لم یعرفوا لم یطلقوا علیه. فوجب علینا اتباعهم فی ذلك القول وتفویض ما هو الحق الی الله۔

"ہم نے صدرِ اسلام کے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے پایا کہ افضلیت بترتیب خلافت

ہی اور حسن ظن ان لوگوں کے ساتھ اس امر کا مقتضی ہے کہ اگر وہ اس امر کو پورے طور پر سمجھ نہ لیتے تو کبھی اس پر متفق نہ ہوتے لہذا ہم پر اس قول میں اُنکا اتباع لازم ہے اور واقعا حق کیا ہے اس کو خدا کے سپرد کرتے ہیں ؟

شارح مواقف نے بھی اس قول میں اُنسے اختلاف نہیں کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو شرح مواقف مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۷۴۴)

اب جتنی بھی عقلی و نقلی دلیلیں پیش کی جائیں اُن سب کے مقابلہ میں حسن ظن صحابہ کے ساتھ کافی رہے اور وہی ایمان بالقرآن کا واحد مستند ہو سکتا ہے اور بس۔

قرآن مجید کا متعلق شیعی نقطہ نظر

اس میں شبہہ نہیں کہ جوامع حدیث میں ایسے روایات موجود ہیں جنسے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید اصلی صورت پر باقی نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ نہ کچھ تغیر و تبدل پیدا ہوا ہے لیکن اُسکی نوعیت کیا ہے اس میں یہ احادیث سب ایک ہی نقطہ پر مجتمع نہیں ہیں بلکہ اُنکے مفاد میں اختلاف ہے اور اس طرح یہ روایات چند اقسام کے تحت میں مندرج ہو جاتے ہیں۔ جنکو فہرست وار درج کرتے ہیں

کہین کہین علم رجال کے معیار پر سند کی تحقیق بھی کرنے جائینگے۔

پہلی قسم: وہ روایات جنسے صرف اختلاف ترتیب کا پتہ چلتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن ترتیب نزول کے مطابق نہین ہے۔

(۱) عن احمد بن علی القرشی عن محمد بن الفضیل عن ابی حمزۃ الثمالی عن ابی جعفر علیہ السلام قال ما احد من ہذہ الامۃ جمع القرآن کما انزل بہ جبرئیل علیہ السلام علی محمد الا وصی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ابوحمزہ ثمالی نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا کسی شخص نے اس امت مین سے قرآن کو اس طرح جمع نہین کیا کہ جس طرح اس کو جبرئیل نے رسالتمآبؐ پر نازل کیا تھا مگر وصی رسول (علیؑ) نے

(۲) محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد عن ابن محبوب عن عمرو بن ابی المقدام عن جابر قال سمعت ابا جعفر علیہ السلام یقول ما ادعی احد من الناس انہ جمع القرآن کلہ کما انزل الا کذاب وما جمعہ وحفظہ کما نزلہ اللہ الا علی بن ابی طالب والائمۃ من بعدہ

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہین کہ کوئی شخص عام لوگون مین سے اس بات کا ادعا نہ کریگا کہ "اس نے قرآن کو جس طرح خدا نے نازل کیا تھا اس صورت پر حفظ کیا ہے مگر یہ کہ وہ دروغ گو ہوگا۔ اس کو اس صورت پر نہین حفظ کیا مگر علی بن ابی طالبؑ نے اور ائمہ نے کہ جو آپ کے بعد تھے۔

اس روایت کو ثقۃ الاسلام ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینیؒ نے اصول کافی میں اور محمد بن حسن صفار نے بصائر الدرجات میں درج کیا ہے۔ ان دونوں حدیثوں کے مفاد پر نظر کی جائے تو وہ اتقان سیوطی والی اُس روایت سے بالکل مطابق ہے جس میں عکرمہ سے دریافت کیا گیا ہے کہ "الّفوہ کما انزل الاوّل فالاوّل" کیا صحابہ نے قرآن کو جس طرح خدا نے نازل کیا تھا اُسی صورت پر سلسلہ وار جمع کیا تھا۔ اور عکرمہ نے کہا ہے کہ لو اجتمعت الانس والجنّ علی ان یولفوہ ھذا التالیف ما استطاعوا۔

اس صورت سے تو اگر تمام جن و انس بھی جمع ہوتے قرآن مجید کو جمع نہ کر سکتے تھے۔

بیشک اس مقولہ کی تعمیمی حیثیت میں جس تنگ نظری و کوتاہ بینی کا مظاہرہ موجود تھا اُسکی ان دونوں روایتوں میں استثنائی جملہ سے اصلاح کر دیگئی ہے۔

ان دونوں روایتوں سے ظاہر ہے کہ امیر المومنینؑ کے ترتیب دادہ قرآن میں یہ امر مخصوص تھا کہ وہ کیفیت ترتیب میں عنوان نزول کے مطابق تھا اور اسی کے موافق علمائے اہلسنت کے روایات سابق میں ذکر ہو چکے ہیں۔

دوسری خصوصیت وہ ہے جس کا تذکرہ احتجاج طبرسی کی ایک طویل روایت کے ذیل میں ہوا ہے کہ فلما رأی علی علیہ السلام غدرھم وقلۃ وفاھم لزم بیتہ واقبل علی القرآن یولفہ ویجمعہ فلم یخرج حتی جمعہ کلہ فکتب علی

تنزیلہ والناسخ والمنسوخ۔

"جب امیر المؤمنینؑ نے لوگون کی بے اعتنائی کا مشاہدہ کیا تو اپنے گھر
مین گوشہ نشینی اختیار فرمائی اور قرآن مجید کی جمع و تالیف مین مشغول ہو گئے
اور اُس وقت تک گھر سے باہر تشریف نہ لائے جب تک کہ اُس کو پورا جمع نہ کر لیا
اور اُس کو ترتیب نزول کے مطابق ناسخ و منسوخ کے ساتھ تحریر کیا"

اسی کے مطابق محمد بن سیرین کی روایت تاریخ الخلفاء سیوطی مین بھی موجود ہے
جہان تک میرا خیال ہے ترتیب نزول کے مطابق مرتب ہونا قرآن کا
خود ایک حد تک ناسخ و منسوخ کی تعیین کا ذمہ دار ہے اسلئے کہ مقدم کا مؤخر
اور مؤخر کا مقدم ہو جانے کی صورت مین یقیناً اگر خارجی روایات سے معلوم
نہ ہو تو ناسخ و منسوخ مین اشتباہ ہو جانا ناگزیر ہے۔ مثلاً یہی کہ جب انسان
قرآن مین تعیین عدۂ وفات کی آیت وار بعۃ اشھر وعشرا کو پہلے اور متاعا
الی الحول والی آیت کو بعد دیکھ رہا ہے تو کیون نہ سمجھیگا کہ ایک سال مقرر
کرنے والی آیت ناسخ اور چار مہینہ دس دن کی آیت منسوخ ہے۔ لیکن اسکے
ساتھ ممکن ہے کہ جناب امیرؑ کے قرآن مین تفسیری حواشی کے طور پر ناسخ و منسوخ
کی تعیین بھی کر دی گئی ہو اور اسی لئے محمد بن سیرین نے کہا ہے کہ لو اصیب
ذلک الکتاب کان فیہ العلم " اگر وہ قرآن لوگون کے ہاتھ مین پڑ جاتا تو ایک
بڑا علمی ذخیرہ دستیاب ہوتا (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۸۴)

دوسری قسم

وہ احادیث جنسے قرآن موجود میں اجمالی طور پر کمی پائے جانے کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً عن علی بن الحکم عن ہشام بن سالم قال سألت اباعبد اللہ علیہ السلام عن سورۃ الاحزاب فقال کانت مثل سورۃ البقرۃ مثلہا و مثل ثلثیہا

"ہشام بن سالم نے امام جعفر صادق ؑ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ سورۂ احزاب بقرہ کا آدھا اور آدھا نہیں تو اسکے دو ثلث کے برابر تھا۔

(۲) عن القسم بن الایادی عنہ صلوات اللہ علیہ قال کانت سورۃ الاحزاب سبعمائۃ آیۃ

ارشاد ہوا ہے کہ سورۂ احزاب میں سات سو آیتیں تھیں۔

(۳) عن سماعۃ عن ابی بصیر قال قلت لابی جعفر علیہ السلام ان الناس یقولون قد ذھب من سورۃ الاحزاب شیئ کثیر قال سبحان اللہ ما ذھب فیہ قلت این ھو قال ھو واللہ عندنا

ابوبصیر کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقر ؑ کی خدمت میں عرض کی لوگ کہتے ہیں کہ سورۂ احزاب میں سے کثیر حصہ تلف ہو گیا۔ آپ نے فرمایا جو کچھ تلف شدہ کہا جاتا ہے وہ موجود ہے۔ میں نے کہا کہاں؟ فرمایا ہمارے پاس

ان روایات کے بالکل مطابق حضرت ام المومنین عائشہ کا بیان الاتقان سیوطی سے سابق میں درج ہو چکا ہے اور اسکے متعلق کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ لیکن

احمد بن محمد سیاری جنکی کتاب ان احادیث کا ماخذ ہے اُنکے متعلق شیخ الطائفہ نے فہرست مین لکھا ہے ضعیف الحدیث فاسد المذھب مجفو الروایۃ کثیر المراسیل اور علامہ نے فرمایا ہے۔ کثیر المراسیل اور نجاشی نے بھی کہا ہی فاسد المذھب اور کشی کی روایت ہے کہ امام محمد تقی ع نے اس شخص پر اظہار بے اعتمادی کیا تھا۔ فاسد المذہب کی لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ شخص مذہبی حیثیت سے فرقہ شیعہ سے تعلق نہ رکھتا تھا اسلئے اُسکے روایات کی ذمہ داری ہم پر عائد کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

(۴) عن محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد عن علی بن الحکم عن ھشام بن سالم عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان القرآن الذی جاء بہ جبرئیل الی محمد صلی اللہ علیہ والہ سبعۃ عشر الف آیۃ

امام جعفر صادق ع کا ارشاد ہے کہ وہ قرآن جو جناب رسالت مآب ص پر نازل ہوا تھا اس مین سترہ ہزار آیتین تھین۔ اس روایت کو بیشک کلینی رح نے کافی مین درج کیا ہے لیکن سلسلۂ سند ذکر کرکے ذمہ داری کو اپنے اوپر سے ہٹا دیا ہے اور باخبر مطالعہ کرنے والے کے لئے تحقیق رجال کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔

اس روایت کا استناد بھی احمد بن محمد سیاری کی جانب ہے جنکے متعلق اسکے قبل روشنی ڈالی جا چکی ہے اور پھر خود سیاری کی کتاب مین محدث نوری کے بیان کے مطابق عشرۃ الف آیۃ یعنے دس ہزار آیتون کا ذکر ہے اور کافی

کے بعض نسخ مین سبعۃ آلاف یعنی صرف سات ہزار آیتین ہین اور ملا محسن فیض کاشانی
نے وافی مین جو اس حدیث کو اصول کافی سے نقل کیا ہے تو اس مین یہ لفظ سبعۃ
الاف ہی درج ہے اس اختلاف نسخ اور اضطراب متن کے باوجود کمان وثوق
ہوسکتا ہے کہ امام علیہ السلام نے کیا تعداد تبلائی تھی۔

اور پھر روایت سے صریحی طور پر نقص ثابت بھی نہین ہوتا اسلئے کہ آیات
کی تحدید فواصل کے اعتبار سے مقرر کی گئی ہے اور وسط آیات مین اکثر مقامات
پر وقف لازم اور وقف جائز وغیرہ کے علامات مختلف صورتون مین پائے جاتے
ہین جو قرار کے اختلافات کا نتیجہ ہین اور جنہین قرا سب ایک نقطہ پر مجتمع بھی
نہین ہین تو کیا نہین ممکن کہ فواصل کی شناخت اور ابتدا و اختتام کی تعیین مین
فروگذاشت ہوئی ہو اور اس لحاظ سے آیات کی تعداد مین اختلاف پیدا ہوگیا ہو
اور یہی اس روایت کا مفاد ہو۔

تیسری قسم وہ روایات جنسے خاص خاص آیات مین بعض مخصوص الفاظ
کی تغییر و تبدیل اور کمی کا پتہ چلتا ہے جنھین محدث نوری
نے فصل الخطاب مین سلسلہ وار درج کیا ہے اور انمین سے اکثر اگرچہ ساری کے
روایات ہین جو انھون نے اپنی کتاب القرارات مین جس کا دوسرا نام التنزیل
والتحریف ہے۔ درج کئے ہین اور درحقیقت محدث نوری کو فصل الخطاب
لکھنے کا زیادہ شوق اسی کتاب کو دیکھکر پیدا ہوا تھا اسلئے کہ اس کتاب کا موضوع

ہی شروع سے آخر تک یہی ہے اور سیاری کے درجۂ اعتبار کی حقیقت اسکے قبل کھل چکی ہے۔ لیکن ان روایات مین ایسے بھی احادیث ہین کہ جو دیگر جوامع حدیث مین مختلف طرق واسانید سے مذکور ہین۔

ان روایات مین اکثر ایسے اختلافات کا پتہ ہے جو صرف الفاظ کی طریق سے تعلق رکھتے ہین اور جنسے معنے پر کوئی اثر نہین پڑتا اور انکی اہمیت اس اختلاف سے زیادہ نہین ہے کہ جو قراء سبعہ کی ساتون مشہور قراتون مین تمام کتب تفسیر و قرارت مین مذکور ہے مثلاً

صراط الذین انعمت علیہم کے بجائے صراط من انعمت علیہم

ولا الضالین — وغیر الضالین

اھدنا الصراط المستقیم — اھدنا السراط المستقیم

مالک یوم الدین — ملک یوم الدین۔

اور بعض روایات وہ ہین کہ جنمین مختلف آیات قرآن مین بعض الفاظ کے کم ہونے کا پتہ دیا گیا ہے جیسے۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا (فی علی) فاتوا بسورۃ من مثلہ

فبدل الذین ظلموا (آل محمد حقہم) قولا غیر الذی قیل لہم فانزلنا علی الذین ظلموا (آل محمد حقہم) رجزا۔

بئسما اشتروا بہ انفسہم ان یکفروا بما انزل اللہ (فی علی) بغیا۔

واذا قیل لھم آمنوا بما انزل اللہ (فی علی) قالوا نومن بما انزل علینا۔
وغیرہ ان روایات کے متعلق اکثر محققین کا یہ خیال ہے کہ اس قسم کے الفاظ تفسیر و
تاویل کے طور پر تھے جو بیان مراد کے لئے جبرئیل امین کے توسط سے جناب رسالتمآب تک پہونچائے
جاتے تھے اور رسالتمآب کی طرف سے اگرچہ موقع بموقع انکے مفاد کا اظہار ہوتا رہتا تھا لیکن تعلیم
قرآن میں عام طور سے صحابہ کو ان تفاسیر کے بتلانے کی ضرورت نہ تھی اور وہ حضرت کے پاس
اور حضرت کے بعد آپکے وارث علم کے پاس محفوظ تھے امیرالمومنین نے جو قرآن جمع
کیا تھا وہ ان تاویلات کو بھی اپنے اندر لئے ہوئے تھا جو تفسیر و حواشی کے
طور پر درج کئے گئے تھے اور اسکی تصدیق اس روایت سے ہوتی ہے جو احتجاج
طبرسی میں حضرت امیرالمومنین کی زبانی ایک زندیق کے جواب میں وارد ہوئی
ہے اس میں حضرت نے فرمایا ہے۔

ولقد جئتھم بالکتاب کملا مشتملا علی التاویل والتنزیل والمحکم
والمتشابہ والناسخ والمنسوخ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ قرآن صرف
متن قرآن پر مشتمل نہ تھا بلکہ اس میں تاویل و تنزیل اور محکم و متشابہ اور ناسخ
و منسوخ سب کا بیان مندرج تھا۔

جہاں تک میرا خیال ہے تنزیل سے بھی مراد متون الفاظ قرآن نہیں ہیں
بلکہ تنزیل سے مراد قرآن کا اصلی مورد نزول ہوا کرتا ہے یعنی وہ معنی جسکے ظاہر
کرنے کے لئے خاص طور پر وہ آیت نازل ہوئی ہے اور تاویل اسکے لوازم اور

وہ موارد ہین جن پر تقسیمی حیثیت سے اس آیت کا انطباق ہو یا باطنی طور پر اُنکی طرف اشارہ کیا گیا ہو اور اسکے ثبوت مین میرے پیش نظر اصول کافی کی حدیث طویل ہے جو "باب فیہ نکت ونتف من التنزیل فی الولایۃ" مین درج ہو جسمین سائل نے مختلف آیات قرآن کے معانی دریافت کئے ہین اور اکثر معانی کے بتلانے پر سائل نے دریافت کیا ہے کہ یہ تنزیل ہے یا تاویل اور حضرت نے کہین فرمایا ہو تنزیل ہے اور کہین تاویل۔

محمد بن الفضیل عن ابی الحسن الماضیؑ قال سألتہ عن قول اللہ عزوجل یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم قال یریدون لیطفئوا ولایۃ امیر المومنین بافواھھم قلت واللہ متم نورہ قال واللہ متم الامامۃ لقولہ عزوجل الذین امنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا فالنور ھو الامام قلت ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق قال ھو الذی امر رسولہ بالولایۃ لوصیہ والولایۃ ھی دین الحق قلت لیظھرہ علی الدین کلہ قال یظھرہ علی جمیع الادیان عند قیام القائم قال یقول اللہ واللہ متم ولایۃ القائم ولو کرہ الکافرون بولایۃ علی قلت ھذا تنزیل قال نعم اما ھذا الحرف فتنزیل واما غیرہ فتاویل۔

محمد بن فضیل نے امام رضاؑ سے سوال کیا کہ اس آیت کے کیا معنی ہین۔ یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم حضرت نے فرمایا یعنی یہ لوگ چاہتے ہین

کہ ولایت امیر المومنینؑ کو محو کر دین واللہ متم نورہ یعنی خدا امامت کے مسئلہ کو پورا کرنے والا ہے ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق یعنی خدا نے اپنے رسول کو مامور کیا تبلیغ ولایت پر اور ولایت ہی دین حق ہے لیظھرہ علی الدین کلہ یعنی قیام حضرت حجت کے وقت وہ تمام ادیان پر غالب آجائے گا۔ اور خداوند عالم نے یہ فرمایا ہے کہ خدا ولایت حضرت حجت کو تمام کریگا اگرچہ ولایت علیؑ کے منکر اس کو پسند نہ کرین۔

سائل نے پوچھا کہ یہ جو آپ نے فرمایا تنزیل ہے؟ یعنی اصلی مورد نزول آیت ہے حضرت نے فرمایا ہان جو مین نے کہا وہ تو تنزیل ہے

اور اس کے علاوہ جو دوسری چیزین ہون وہ تاویل مین داخل ہین۔

پھر لما سمعنا الھدی امنا کے متعلق ارشاد ہوا الھدی الولایۃ امنا بمولانا فمن امن بولایۃ مولاہ فلا یخاف بخسا ولا رھقا "ہدی سے مراد ولایت ہے تو جو شخص اپنے مولا کی ولایت پر ایمان لایا اسکو کچھ خوف نہ کرنا چاہیئے" سائل نے پوچھا تنزیل "یہ تنزیل ہے؟ فرمایا لا تاویل "نہین یہ تاویل ہے اور اسی صورت پر حضرت نے بعض معانی تو تنزیل فرمایا ہے اور بعض کو تاویل یہان تک کہ سب کے آخر مین جو بہت صریح ہے وہ یہ ہو کہ سائل نے پوچھا ھذا الذی کنتم بہ تکذبون کے کیا معنی ہین؟ حضرت نے فرمایا یعنی امیر المومنین اس سے مراد امیر المومنینؑ ہین۔ سائل نے پوچھا تنزیل "یہ تنزیل ہے؟ حضرت نے

فرمایا "ہاں"

"یعنی امیر المومنین ؑ کی لفظ کے صاف یہ معنی ہین کہ امیر المومنین کی لفظ جزو
آیت نہین ہے بلکہ ھذا الذی کی لفظ سے مراد و مقصود ہے اُس پر سائل کا یہ
پوچھنا کہ یہ تنزیل ہے یا تاویل اور حضرت کا فرمانا تنزیل ہے اسکی صاف دلیل
ہے کہ تنزیل بھی معانی کے قبیل سے ہے نہ الفاظ سے ۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ تنزیل سے مراد وہ تفسیر ہو جو خداوند عالم کی جانب سے
الفاظ قرآن کے ساتھ نازل ہوئی تھی اور تاویل وہ تفسیر ہے جو غیر نازل شدہ ہو
لیکن الفاظ کی مراد اصلی ہے اور اس صورت مین یہ حدیث اُس دعوے کا گویا
شاہد ہوگا کہ قرآن مجید کے ساتھ بعض الفاظ شرح کے طور پر بھی نازل ہوئے تھے
کہ جو حقیقتہ متن قرآن کا جزو نہین لیکن منزل من اللہ ضرور تھے ۔

اور جب تنزیل بھی تفسیر کے قبیل سے ہو گئی تو اب اُن روایات کے بھی معنی
دوسری صورت پر ظاہر ہونگے یعنی یہ ہے کہ امیر المومنین ؑ نے قرآن کو اُس کی
تنزیل پر جمع کیا جیسے سلمان کی روایت جس کو کتاب سلیم بن قیس ہلالی اور احتجاج
طبرسی مین نقل کیا گیا ہے اور اُس مین یہ ہے کہ فکتبہ علی تنزیلہ والناسخ
والمنسوخ ۔ اسکے بھی معنی یہ ہین کہ حضرت نے قرآن کو اُس تفسیر کے مطابق تحریر
کیا جو حضرت اقدس الٰہی کی جانب سے الفاظ کے لئے بتوسط جبرئیل پہنچائی گئی تھی
اور احتجاج کی سابق روایت سے یہ معلوم ہوا کہ اس مین تنزیل کے ساتھ تاویل

بھی مذکور تھی اور درحقیقت اگر خود اُن الفاظ کی نوعیت پر نظر کی جائے جن کا اضافہ
روایات مذکورہ میں آیات قرآن کے ساتھ کیا گیا ہے اور آیات کے موجودہ الفاظ
کے ساتھ اُنکے جوڑ کا لحاظ کیا جائے تو کچھ نوعیت بھی اُن الفاظ کی تفسیر ہی کی
سی نظر آتی ہے اور ذوق و سلیقہ کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جزو متن نہیں تھے
لطف یہ ہے کہ یہی روایت احتجاج کی جس میں امیر المومنینؑ والے قرآن کے تاویل
و تنزیل دونوں پر مشتمل ہونے کا تذکرہ ہے اُن اشخاص کا بڑا مستند ہے جو
شیعوں کے عقیدۂ تحریف کو رائی کا پہاڑ بنا کر پیش کرتے ہیں حالانکہ جب اُس سے
یہ امر ظاہر ہو گیا کہ امیر المومنینؑ کا قرآن متون الفاظ قرآن کے ساتھ تاویل و تفسیر
کے اوپر بھی مشتمل تھا تو اسکی کیا ذمہ داری ہے کہ اُس میں جس قسم کے نقص و تغیر
کا پتہ دیا گیا ہے وہ اصلی الفاظ قرآن سے تعلق رکھتا ہے؟ اور پھر جبکہ اُس میں
دوسرے الفاظ بھی اسی کے مؤید موجود ہیں ۔

درحقیقت روایات مذکورہ سے قطعی طور پر جو کچھ نکلتا ہے وہ دو چیزیں ہیں
ایک تحریف معنوی یعنی معانی و تاویلات قرآن میں تغیر و تبدیل جو مختلف
آیات قرآن میں ہمیشہ کی گئی اور کی جاتی ہے اور دوسرے ترتیب قرآن کا بگڑنا
یعنی ایک جگہ کی آیت کا دوسری جگہ ہونا چنانچہ ہم مخصوص طور پر اُن فقرات
کی شرح درج کرتے ہیں جنھیں مخالف حلقوں کی جانب سے بطور دلیل
پیش کیا جاتا رہا ہے ۔

پہلا فقرہ

ثم دفعهم الاضطرار بورود المسائل عمّا لا يعلمون تاويله الى جمعه وتاليفه وتضمينه من تلقائهم ما يقيمون به دعائم كفرهم فصرّح مناديهم من كان عنده شيئ من القران فلياتنا به ووكلوا تاليفه ونظمه الى بعض من وافقهم الى معاداة اولياء الله فالّفه على اختيارهم۔

"پھر (امیرالمومنین ع کے ترتیب دادہ قرآن کے واپس کرنے کے بعد) جب ایسے آیات کے متعلق سوالات پیدا ہوئے جنکی تاویل سے وہ واقف نہ تھے تو اُنکو ضرورت پڑی کہ اُسکی جمع وتالیف کریں اور اُس کو اپنے دل سے ایسے معانی کا جامہ پہنائیں جنکے ذریعہ سے اُنکی حق پوشی کے ستون قائم ہوتے ہیں۔ اُسوقت اُنکے منادی نے آواز دی کہ جس کے پاس کوئی حصہ بھی قرآن کا ہو وہ لیکر ہمارے پاس آئے اور اسکی تالیف وترتیب کو بعض ایسے اشخاص کے سپرد کیا۔ جو دوستانِ خدا (اہلبیت) کی مخالفت مین اُنکے موافق تھے اور اُنھون نے اس کو اپنی صوابدید کے مطابق مرتب کیا۔"

الفاظ قرآن کے حذف واسقاط اور تغییر وتبدیل کیساتھ تاویل سے واقفیت کو کوئی تعلق نہین ہے حالانکہ مذکورۂ بالا عبارت مین اُس کاوش وکاوش کا سبب غیر معلوم التاویل آیات کے متعلق سوال پیدا ہونے کو قرار دیا گیا ہے لہذا یقینا التضمینه من تلقائهم ما یقیمون به دعائم کفرهم کے معنی وہی ہین

جنکو ہمنے ترجمہ مین ملحوظ رکھا ہے یعنے تضمینہ کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے جو الفاظ کے قبیل سے ہے اور ما یقیمون کے اسم موصول سے معنی مراد ہین اور مقصود یہ ہے کہ انھون نے الفاظ قرآن کو اپنے دل سے (اگرچہ حقیقۃً وہ متضمن نہین ہین) ایسے ایسے معانی پر متضمن قرار دیا جنسے اُنکی حق پوشی کے ستون محکم ہوتے ہین۔

اب کوئی بتلائے کہ اس کو الفاظ قرآن مین زیادتی وکمی سے کیا تعلق ہے؟

دوسرا فقرہ | انّ الکنایۃ عن اسماء ذوی الجرائر العظیمۃ من المنافقین لیست من فعلہ تعالیٰ وانّھا من فعل المغیّرین والمبدّلین الّذین جعلوا القرآن عضین واعتاضوا الدّنیا من الدین۔

بڑے بڑے جرم کرنے والے منافقون کے نامون کو صرف کنایہ کے طور پر ذکر کرنا خدا کا کام نہین ہے (کیونکہ اُس نے تو تفسیری حواشی مین اُنکے اسمار کو صاف طور پر ذکر کر دیا تھا) یہ تو اُن تغییر وتبدیل کرنے والون کا نتیجۂ کار ہے جنھون نے قرآن کو مبہم بنا دیا اور دنیا کو دین کے عوض مین حاصل کیا۔

کیا اس مین کوئی شبہہ ہے کہ اگر وہ تفاسیر جو خداوند عالم نے آیات قرآن کے ساتھ بطور خود نازل کئے تھے آج محفوظ ہوتے تو قرآن فہمی کے لئے وہ روشنی ہاتھ آتی جس کے بعد شک وشبہہ کا امکان نہ رہتا۔

تیسرا فقرہ | والّذی بدا فی الکتاب من الازرآء علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ من فریۃ الملحدین۔ یہ جو کتاب الٰہی کے اندر باری النظر مین رسالتمآب

کے خلاف شان باتین نظر آتی ہین یہ صحیح رستہ سے ہٹ جانے والون کی تراش کا نتیجہ ہین زکرم نھون نے صحیح تاویلات کو چھوڑکر نئے نئے معانی اپنے دل سے تراش لئے

چوتھا فقرہ | واما ظهور ات على تناكر قوله فان خفتم الا تقسطوا فى اليتامى فانكحوا ما طاب لكم من النساء وليس يشبه القسط فى اليتامى نكاح النساء فهو مما قدمت ذكره من اسقاط المنافقين من القرآن وبين القول فى اليتامى وبين نكاح النساء من الخطاب والقصص اكثر من ثلث القرآن وهذا وما اشبهه مما ظهرت حوادث المنافقين فيه لاهل النظر والتأمل ووجد المعطلون واهل الملل المخالفين للاسلام مساغا الى القدح فى القرآن -

آیت قرآن "فان خفتم الا تقسطوا فى اليتامى فانكحوا ما طاب لكم" کے متعلق جو اعتراض ہے اسکا منشا درحقیقت ظاہر دار افراد کا درمیان کی آیتون کو ہٹا دینا ہے۔ اور یتامیٰ والے فقرہ اور نکاح نسار کے درمیان مین ثلث قرآن سے زیادہ خطاب وقصص وغیرہ تھے۔ اور یہی اور اسکی ایسی دوسری چیزین وہ ہین جنھین ان لوگون کی کارستانی اہل نظر وفکر کو معلوم ہوتی ہے اور اسکی وجہ سے مخالفین اسلام کو قرآن مجید پر اعتراض کا موقع ملتا ہے "

اب بتلاؤ کہ متفرق پرزون اور پتھر کے ٹکڑون مین سے اگر دو فقرے ایسے ملے جنمین سے درحقیقت ایک اول قرآن کا اور ایک آخر قرآن کا تھا لیکن

ناواقفیت کی جہت سے اُنکو ملا کر درج کر دیا گیا تو کیا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ان دونون
مین پورے تیس پارون کا فاصلہ تھا اور وہ فاصلہ ان کے درمیان مین سے ساقط
کر دیا گیا ؟ کیا اسکے معنی یہ ہونگے کہ وہ تیس پارے اب کہین ہین ہی نہین اور ناقص
ہو گئے ہین ؟ ہرگز نہین بلکہ وہ پارے اسکے قبل اور بعد متفرق طور پر درج کئے گئے
ہین۔ لیکن ترتیب کی خرابی سے اُن دو آیتون کا افتراق اتصال سے بدل گیا۔
پھر امام کا یہ فرمانا کہ ان دونون آیتون مین ثلث قرآن سے زیادہ کا فاصلہ تھا
اور وہ فاصلہ اب ساقط ہو گیا کیونکر اس امر کی دلیل ہوگا کہ وہ ثلث قرآن قرآن
کے اندر ہی سے حذف ہو گیا اور اب موجود نہین ہے۔ بلکہ وہ ممکن ہے کہ دوسرے مقام
پر متفرق طور سے موجود ہو۔ درحقیقت اس فقرہ سے سوائے اختلاف ترتیب کے
کوئی نتیجہ نکالا نہین جا سکتا۔

ترتیب کے اختلاف ہی کی بدولت نقص و زیادتی کا اطلاق بھی قرآن مین
صحیح ہو جاتا ہے اسلئے کہ جس مقام کی آیت ہٹا کر دوسرے مقام پر لیجائے گا وہ پہلے
مقام سے ناقص اور دوسرے مقام پر زائد ہو گی اور اس طرح

پانچوان فقرہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ زاد وا فیہ ما ظهر تماکرو ونا فر۔
"اس مین (موقع بموقع) ایسے جملہ زیادہ ہو گئے جنکی اجنبیت
اُس مقام سے جہان وہ بڑھائے گئے ہین ؛ اور مغایرت اُسی مقام سے ظاہر ہے
ان تشریحات کے ساتھ ہمین اس روایت کے تسلیم کرنے مین کوئی عذر نہین ہے

والا قرآن مجید مین زیادتی کا قول جو ظاہر بین افراد کو اس روایت سے سمجھ
مین آتا ہے وہ سلف و خلف کے متفقہ اقوال اور اجماع امامیہ کے خلاف ہے
اور یہی اُس روایت کے ناقابل اعتبار سمجھے جانے کا کافی مستند ہے اور پھر
درصورتیکہ اُسکی کوئی اطمینان بخش کیسی غیر اطمینان بخش سند بھی نہین ہی یعنے
علامۂ طبرسی نے اُس کو بغیر کسی اسناد کے مرسل طور پر نقل کیا ہے،

رہ گیا اُن کا دیباچہ مین یہ کہدینا کہ مین اُن روایات کو نقل کرونگا جو
میری نظر مین مستند اور قابل وثوق ہین یہ کسی صورت سے اُس روایت کی اعتبار
کی دلیل نہین ہوسکتا اسلئے کہ اونکی نظر مین کسی روایت کا قابل اعتبار ہونا اُسکو
محققانہ میزان پر قابل اعتبار نہ بنا دیگا ورنہ تحقیق رجال اور علم درایت و روایت
کا دروازہ بالکل بند ہوجاتا اور علما کے روایات تحقیق رجال سے مستغنی سمجھے جاتے
حالانکہ تحقیق شیوہ علمائے شیعہ نے تو اصول کافی کے احادیث کو بھی جرح و تعدیل
کے موازنہ سے بلند نہین قرار دیا ہے اور وہ اُسکی روایت کو بھی بغیر تحقیق قبول
نہین کرلیتے پھر احتجاج طبرسی کی روایت کا جو بغیر کسی سند کے ہو کیا وزن سمجھا
جاسکتا ہے ؟؟!

چوتھی قسم وہ روایات جنہین اجمالی طور سے تحریف کا پتہ دیا گیا ہے لیکن
تحریف کی نوعیت اُن سے ظاہر نہ ہوجاتی ہے جیسے احتجاج کی
روایت جو ابوذر غفاریؓ سے منقول ہو اُنکا بیان ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کے

انتقال کے بعد امیر المومنینؑ نے قرآن جمع کیا اور مہاجرین و انصار کے مجمع میں لا کر پیش کیا فلما فتحہ ابو بکر خرج فی اوّل صفحۃ فتحھا فضائح القوم فوثب عمر وقال یا علی اردده فلا حاجۃ لنا فیہ فاخذه علی علیہ السلام وانصرف ثم احضر زید بن ثابت وکان قاریا للقرآن فقال لہ عمر ان علیاً جاء نا بالقرآن وفیہ فضائح المہاجرین والانصار وقد رأینا ان نؤلف القرآن ونسقط منہ ما کان فضیحۃ وھتکا للمہاجرین والانصار فاجابہ زید الی ذالک

حضرت ابو بکر نے جو اُس کو کھولا تو سب سے پہلے وہی مقام نکلا جہاں فضائح قوم مذکور تھے پس حضرت عمر نے آگے بڑھکر کہا کہ یا علی اس کو آپ واپس لیجائیے ہم کو اسکی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سنکر حضرت علیؑ نے اُس کو لے لیا اور واپس گئے۔ پھر حضرت ابو بکر نے زید بن ثابت کو بلوایا اور حضرت عمر نے اُن سے کہا کہ علی ہمارے پاس قرآن لائے تھے جس میں بہت سے مہاجرین و انصار کی نسبت رسوا کن باتین ہین۔ اب ہماری رائے قائم ہوئی ہے کہ ہم خود قرآن کو جمع کرین اور اُس مین جو کچھ مہاجرین و انصار کے معائب ہون۔ اُنکو حذف کردین۔ زید نے اُن کے حکم کو منظور کیا۔"

(۲) عن العیاشی عن الصادق علیہ السلام لو قرء القرآن کما انزل لالفیتمونا فیہ مسمّین" اگر قرآن اس طرح پڑھا جاتا جس طرح نازل ہوا تھا تو ہمارے اسماء اس مین مذکور پاتے۔"

(۳۳) عن النعمانی عن امیر المومنین علیہ السلام کانی بالعجم فساطیطھم فی مسجد الکوفۃ یعلمون الناس القرآن کما انزل قلت یا امیر المومنین الیس ھو کما انزل فقال لا محی منہ سبعون من قریش۔

نعمانی نے امیر المومنینؑ سے نقل کیا ہے کہ گویا میں زمانہ حضرت حجتؑ میں عجمیوں کے خیمے مسجد کوفہ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم اُس صورت پر دے رہے ہیں جس طرح وہ نازل ہوا تھا۔ راوی نے عرض کیا یا امیر المومنین کیا وہ صورت نزول پر نہیں ہے۔ فرمایا نہیں اُس میں سے ستر آدمیوں کے قریش میں سے نام نکال ڈالے گئے ہیں۔

اور اسی قبیل کی روایات جنمیں سے اکثر مراسیل اور ضعاف ہیں لیکن تعدد و کثرت کی بنا پر انکے اجمالی مفاد کا ثابت ہوجانا بعید نہیں ہے کہ کہیں کہیں پر سے ایسے اسماء و تصریحات جو سیاست وقت کے خلاف تھے حذف و اسقاط کی نذر ہوئے لیکن ان روایات میں بھی اس امر کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ وہ تصریحات متن قرآن کا جزو تھے بلکہ یہ توجیہ کہ وہ تصریحات منائے تنزیلی کے قبیل سے تھے ان روایات میں بھی کافی گنجائش رکھتی ہے۔

علماء میں اتفاق و اختلاف

قرآن مجید کے متعلق دو جزو ایسے ہیں جو علمائے شیعہ میں نقطۂ اتفاق میں

ایک یہ کہ قرآن مجید میں زیادتی نہیں ہوئی ہے اور موجودہ قرآن کلام الٰہی اور وحی آسمانی ہے۔ دوسرے یہ کہ قرآن کی ترتیب اصلی سلسلۂ نزول کے مطابق نہیں ہے اور اس میں تقدیم و تاخیر ہوئی ہے۔ لیکن اسکے بعد کسی اور قسم کی تحریف کے متعلق علماء کا نقطۂ خیال مختلف ہو گیا ہے۔

بہت سے بڑے علماء اور رؤسائے ملت تحریف کے بالکل منکر ہیں اور قرآن موجود میں کسی جزو کے بھی اسقاط اور تغیر و تبدیل کو تسلیم نہیں کرتے جنمیں سے بعض اکابر کے اسماء درج ذیل ہیں۔

(۱) حافظ الاخبار شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ قمی علیہ الرحمہ اپنے اعتقادات میں تحریر فرماتے ہیں۔

اعتقادنا ان القرآن الذی انزلہ اللہ تعالیٰ علی نبیہ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم ھو ما بین الدفتین وھو ما فی ایدی الناس لیس باکثر من ذلک ...... ومن نسب الینا انا نقول انہ اکثر من ذلک فھو کاذب۔

ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ قرآن جس کو خدا نے اپنے نبی محمدؐ پر نازل کیا تھا وہی ہے کہ جو موجود اور لوگوں کے ہاتھ میں متداول ہے اور وہ اس سے زیادہ نہ تھا ... اور جو شخص ہماری طرف یہ نسبت دے کہ ہم قرآن کو موجودہ مقدار سے زیادہ کہتے ہیں وہ غلط گو ہے۔"

(۲) سید مرتضی علم الہدیٰ علیہ الرحمہ نے مسائل طرابلسیہ میں تحریف قرآن کا انکار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تحریف قرآن کا قول ایک جماعت کی طرف ناقلین حدیث میں سے منسوب ہے جنھوں نے اخبار ضعیفہ نقل کرکے خیال کیا ہے کہ وہ صحیح ہیں لیکن یہ اخبار اُن یقینی وغیر مشکوک وجوہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے جو ہمارے قول کی صحت کو بتلاتے ہیں

(۳) شیخ الطائفہ محمد بن الحسن طوسیؒ اپنی عظیم الشان تفسیر تبیان میں تحریر فرماتے ہیں۔

امّا الکلام فی زیادتہ ونقصانہ یعنی القرآن فمما لا یلیق بہ لان الزیادۃ فیہ مجمع علی بطلانہ والنقصان منہ فالظاہر ایضا من مذہب المسلمین خلافہ وھو الالیق بالصحیح من مذھبنا کما نصرہ المرتضیٰ وھو الظاھر من الروایات

"قرآن مجید کے متعلق زیادتی ونقصان کی بات کا زبان سے نکالنا مناسب نہیں ہے اسلئے کہ زیادتی کے تو بطلان پر اجماع ہے اور نقصان کے متعلق بھی عام مسلمانوں کے مذہب کا ظاہر یہی ہے کہ نقصان نہیں ہوا ہے اور ہماری جماعت شیعہ کا بھی صحیح مذہب یہی کہا جا سکتا ہے جس کو سید مرتضیٰؒ نے تقویت دی ہے اور وہ ائمہؑ کے روایات سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

(۴) امین الاسلام شیخ ابو علی طبرسی تفسیر مجمع البیان میں لکھتے ہیں ۔

اما الزیادۃ فیہ فمجمع علی بطلانہ واما النقصان فیہ فقد روی جماعۃ من اصحابنا وقوم من حشویۃ العامۃ ان فی القرآن تغیرا ونقصانا والصحیح من مذاہب اصحابنا خلافہ وھو الذی نصرہ المرتضی قدس اللہ روحہ

"قرآن میں زیادتی کا ہونا تو باجماع باطل ہے اور کمی کے متعلق کچھ شیعہ وسنی محدثین نے روایات نقل کر دیے ہیں کہ اس قرآن میں کچھ تغیر وتبدیل اور نقصان ہوا ہے لیکن ہمارے علماء میں جو صحیح مذہب ہے وہ اسکے خلاف ہے اور یہی وہ ہے جس کو سید مرتضیٰؒ نے ثابت کیا ہے۔

(۵) فاضل تونی ملا عبد اللہ بشرنی خراسانی شرح وافیہ مطبوعہ لکھنؤ صہ۵۲-۵۳ میں لکھتے ہیں قد وقع الخلاف فی تغییرہ فقیل ان فیہ زیادۃ ونقصانا وبہ روایات کثیرۃ رواھا الکلینی وعلی بن ابراھیم فی تفسیرہ والمشھور انہ محفوظ ومضبوط کما انزل لم یتبدل ولم یتغیر حفظہ الحکیم الخبیر

"قرآن مجید میں تغیر وتبدیل واقع ہونے کے متعلق اختلاف ہوا ہے بعض نے کہا ہے کہ اس میں کچھ الفاظ کی کمی زیادتی ہوئی ہے اور اس کے متعلق بہت سی روایتیں بھی وارد ہوئی ہیں جنکو کلینی وعلی بن ابراہیم نے درج کیا ہے لیکن مشہور بین العلماء یہ ہے کہ وہ جتنا نازل ہوا تھا اتنا ہی محفوظ ومضبوط ہے اور اس میں تغیر وتبدیل نہیں ہوئی۔ خدا نے اسکی حفاظت فرمائی ہے۔

(۶) علامہ محمد حسن آشتیانی رحمہ بحر الفوائد فی شرح الفرائد مطبوعہ ایران صہ۹۹

مین لکھتے ہین المشہور بین المجتہدین والاصولیین بل اکثر المحدثین عدم وقوع التغییر مطلقاً بل ادعی غیر واحد الاجماع علی ذلک سیما بالنسبۃ الی الزیادۃ۔

"قول مشہور مجتہدین اور اصولیین بلکہ اکثر محدثین کے درمیان مین بھی یہی ہے کہ قرآن مین تغییر و تبدیل بالکل نہین ہوئی ہے بلکہ متعدد حضرات نے اس پر اجماع کا دعوی کیا ہے خصوصاً زیادتی کے متعلق"

اسکے بعد طرفین کے ادلہ نقل کرنے کے بعد خود محاکمہ فرماتے ہوے لکھا ہے۔ الاخبار اللّٰہ الۃ بظاہرھا علی حدوث التغییر وان کانت کثیرۃ الا ان اکثرھا الا ما شذ ضعیفۃ السند ویمکن دعوی تواترھا فلا یقدح ضعف السند فیہ لکن الانصاف عدم نصوصیتہا فیما ذکرہ الاخباریون وقوۃ احتمال ارادۃ ما عرفتہ من وجوہ المعانی فیہا۔

"وہ اخبار جو ظاہری طور پر تغییر کے وقوع کو بتلاتے ہین وہ بہت ہین مگر وہ سوائے شاذ و نادر کے اکثر ضعیف السند ہین۔ ہان اُنکے تواتر کا ادعا کر کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ضعف سند مین کوئی مضائقہ نہین لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ اخباریین کے قول کو صریحی طور پر بتلاتے بھی نہین اور احتمال قوی ہے کہ اُن سے مراد وہی معانی ہون جو ان اخبار کی تاویل مین ذکر کئے گئے ہین۔

یہ تو وہ عبارات ہین جو بحالت موجودہ ہمارے پیش نظر ہین۔ اسکے علاوہ

شیخ مفید علیہ الرحمہ نے کتاب المقالات مین لکھا ہے۔

قد قال جماعۃ من اھل الامامۃ انہ لم ینقص من کلمۃ ولا من آیۃ ولا من سورۃ۔

"ایک جماعت نے امامیہ مین سے کہا ہے کہ قرآن مین سے کوئی سورہ کوئی آیت بلکہ کوئی کلمہ بھی کم نہین ہوا ہے" سید محسن اعرجیؒ نے شرح وافیہ مین اور شیخ فتح اللہ کاشانیؒ نے تفسیر منہج الصادقین مین بھی اس خیال پر زور دیا ہے۔

ان حضرات کے خلاف کچھ علمار جن مین اکثر اخباریین اور بعض اصولیین داخل ہین مذکورہ سابق روایات کی بنار پر اس امر کے قائل ہو گئے ہین کہ قرآن مین کمی واقع ہوئی ہے اور محدث نوری نے تو اس موضوع پر مستقل کتاب لکھدی ہے جس کا نام "فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب" ہے لیکن اس کتاب کو عام طور پر علمائے شیعہ نے نظر قبول سے نہین دیکھا تھا چنانچہ آقا محمد مہدی موسوی کاظمی اپنی کتاب "احسن الودیعہ فی تراجم علمار الشیعہ" مطبوعہ بغداد صفحہ ۹ مین محدث نوری کے حالات اور انکے مصنفات کی فہرست لکھتے ہوئے رقمطراز ہین۔

فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب طبع فی ایران علی الحجر بقطع امالی شیخنا الطوسی ولیتہ ما الفہ وقد کتب فی ردہ بعض العلماء رسالۃ شریفۃ بیّن فیھا ما ھو الحق وشنّع علی المحدث النوری علماء زمانہ

"فصل الخطاب در اثبات تحریف کتاب ایران مین امالی شیخ طوسیؒ
کی تقطیع پر طبع ہوئی ہے اور کاش انھون نے یہ کتاب نہ لکھی ہوتی اور اُسی زمانہ
مین بعض علماء نے اُسکی رد مین ایک رسالہ شریفہ تصنیف کیا تھا جس مین اس مسئلہ
مین جو قول حق ہے اس کو واضح کیا تھا اور محدث نوری پر اس کتاب کی وجہ سے
اُنکے زمانہ کے علماء نے طعن و تشنیع کی"

اس صورت حال کے بعد فرقہ شیعہ کی طرف متفقہ حیثیت سے یہ نسبت
دینا کہ وہ تحریف قرآن کا قائل ہے غلط ہے۔

قائلین تحریف کا ایمان بالقرآن

عام طور پر اس خیال کی نشر و اشاعت کی جاتی ہے کہ تحریف قرآن کا عقیدہ
ایمان بالقرآن کے ساتھ جمع نہین ہو سکتا اس لئے کہ جس کتاب مین تغییر و تبدیل
اور حذف و اسقاط عمل مین آگیا ہو وہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہو گئی اور یہ حق
باقی نہین رہا کہ اُس پر ایمان کا دعویٰ کیا جائے لیکن یہ خیال حقائق مذہب اور احکام
عقل سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

ہم نے "معیار حجیت یا سند اعتبار" کے تحت مین اس امر کی کافی توضیح کر دی
ہے کہ تحریف کا اجمالی ثبوت جسکے اندر مخصوص موارد اور خاص نوعیت کی تعیین
نہو بے شک تمام کتاب کو غیر معتبر بنانے کا سبب ہو سکتا ہے لیکن تحریف کا ثبوت

اس طرح کہ اُسکے مقامات کی تعیین اور نوعیت کا علم ہوجائے موجودہ حصہ کے اعتبار پر کوئی اثر نہین ڈال سکتا جبکہ موجودہ حصہ کے متعلق قطعی دلائل بھی موجود ہون جو اُسکے حجیت و اعتبار کے ضامن ہین۔

علمائے شیعہ مین سے وہ افراد جو مذکورۂ سابق روایات کے ظاہری مفاد کی بنا پر موجودہ قرآن مین نقصان و تحریف کے قائل ہو گئے ہین اُنکے عقیدۂ تحریف کی نوعیت یہی ہی۔

گذشتہ روایات کو اُن تمام اقسام کے ساتھ جنھین ہم نے ترتیب وار پیش کیا ہی اگر اسی اعتبار سے دیکھا جائے کہ اُن مین تحریف قرآن کا اظہار کیا گیا ہی تو اُنسے ثبوت تحریف کا اجمال ایک محدود دائرہ کی تفصیل پر منطبق ہوجاتا ہی جسکے بعد قرآن مجید پر عمل اور اُس سے احکام شرعیہ کے استفادہ مین کوئی رکاوٹ پیدا نہین ہوتی۔

ایک قسم کے روایات کا یہ مفاد کہ تحریف ہوئی ہی اور دوسری قسم مین اُسکی تشریح کہ یہان یہ نام تھا وہ ساقط ہوا اور وہان وہ نام تھا وہ حذف ہوگیا اور پھر تیسری قسم مین نوعیت تحریف کا بیان کہ اُس سے وہ جو اہلبیت کی خلافت اور اُنکے معاندین کی مخالفت مین صراحتین تھین جاتی رہی ہین اس سب کا مجموعہ موجودہ اجزائے قرآن اور اُن سے مستفادشدہ احکام شرعیہ کی حقانیت و صداقت کو اس تحریف کی زد سے الگ کردیتا ہے۔

اب ذرا انصاف کی آنکھین کھولکر دیکھو کہ تحریف کے متعلق دو قسم کی

روایتین ہین۔

ایک وہ جو اجمالی طور پر قرآن کے اندر تغییر و تحریف کا پتہ دیتی ہین

دوسری وہ جو تحریف کے موارد کو معین اور اوسکی نوعیت کو واضح کر دیتی ہین۔

پہلی قسم کی روایتین اگر تنہا ہون تو قرآن کے ہر ہر جزو کو مشکوک بنا دیتی ہین لیکن دوسری قسم کے روایات کا ضمیمہ بڑے حصہ کو قرآن کے تحریف سے علیحدہ کر دیتا ہے۔

پہلے قسم کے روایات سنی و شیعہ دونون کی کتابون مین مذکور ہین اور اہلسنت کے جوامع حدیث مین نمایان طور پر انھین جگہ دی گئی ہے جس کی تصدیق کے لئے اگر چاہو تو اسی کتاب کے وسطی حصہ کا چند ورق الٹ کر دوبارہ مطالعہ کر لو۔

لیکن دوسری قسم کے روایات کتب شیعہ سے مخصوص ہین اور انکا پتہ اہلسنت کے جوامع حدیث مین نہین ہے اب تبلاؤ کہ قرآن کے سند و اعتبار کی حفاظت کس فریق نے کی اور ایمان بالقرآن کا دعویٰ کس کو زیادہ زیب ہے۔

درحقیقت شیعون نے رسولؐ کے بعد ایک معصوم کے وجود کو تسلیم کر کے اپنے لئے یقینی طور پر مذہب تعلیمات مذہب پر کاربند ہونے کا اور حقائق ایمان پر اعتقاد رکھنے کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور انہی ائمہ معصومین علیہم السلام کے بیانات وہ ہین جو قرآن مجید کے متعلق ہر تاریک پردہ کو چاک کر کے اپنے برق پر تو ہدایات کا چراغ روشن کئے ہوئے ہین۔

قرآن مجید کی حجیت و اعتبار کی قطعی دلیل

ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے متفقہ اقوال

علمائے شیعہ و حفاظ ملت کے مستند کتب احادیث و جوامع اخبار میں ایسے احادیث کا ذخیرہ ہے جنسے موجودہ قرآن مجید کا اعتبار و استناد اور اسکے دوام الٰہی ہونے کا اعتقاد اور اس پر عمل کا واجب و لازم ہونا یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے لیکن اگر ہم ان تمام احادیث کو درج کرنا چاہیں تو ہمارا یہ رسالہ ایک مبسوط کتاب کی شکل اختیار کر لیگا جس کے لئے ہمیں وقت و فرصت کی کمی اجازت نہیں دیتی اور پھر جبکہ ہمارا رسالہ موجودہ حالت ہی میں اس مقدار سے آگے بڑھ گیا ہے جس کا ہمارے دل میں قبل سے ارادہ تھا۔ لہذا ہم اس باب کو اسی حد تک کہ جسکی بہت زیادہ ضرورت محسوس ہوگی وسعت دیکر ختم کر دینگے۔ اور ناظرین کو بقیہ نظائر و امثال کے لئے کتب احادیث کے تتبع کی دعوت دینگے۔

موجودہ قرآن کی متعلق حقیقی جامع قرآن امیرالمومنین کے اقوال

(۱) نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ج اصفحہ ۲

کتاب اللہ بین اظہرکم ناطق لا یعیی لسانہ وبیت لا تھدم ارکانہ

وعز لاتھزم اعوانہ۔

"کتاب الٰہی تمھارے اندر موجود ہے، وہ ایسا خطیب ہے جسکی زبان تھکنے والی نہیں اور ایسا قلعہ محکم ہے جسکے ستون منہدم ہونے والے نہیں اور ایسا نقطۂ عزت ہے جسکے طرفدار شکست کھانے والے نہیں"

(۲) صـــ۳۱۳

علیکم بکتاب اللہ فانہ الحبل المتین والنور المبین والشفاء النافع والری النافع والعصمۃ للمتمسک والنجاۃ للمتعلق لا یعوج فیقام ولا یزیغ فیستعتب ولا تخلقہ کثرۃ الرد وولوج السمع من قال بہ صدق ومن عمل بہ سبق۔

دیکھو کتاب خدا (قرآن) پر عمل کرتے رہو اس لئے کہ یہ (خدا کی) رسیان محکم اور ضیائے روشن اور (امراض نفس کا) فائدہ پہونچانے والا درمان اور (تشنگان ہدایت کی) سیرابی کا سامان اور دامن تھامنے والے کے لئے بہترین محافظ اور وابستہ ہونے والے کے لئے نجات کا ذریعہ ہے وہ کبھی کج ہونے والا نہیں کہ اس کو سیدھا کرنے کی ضرورت ہو اور نہ وہ صحیح راستہ سے مڑنے والا ہے کہ اسے پلٹانے کا موقع پیش آئے۔ بار بار پڑھنا اور کانون مین گوش زد ہونا اس کو کہنہ نہیں کرتا جو اس کے موافق بات کہے وہ سچا اور جو اس پر عمل کرے وہ کامیاب ہے

(۳) صـــ۳۴۷ اعلموا ان ھذا القرآن ھو الناصح الذی لا یغش

والهادی الذی لایضل والمحدث الذی لایکذب ماجالس هذا القرآن احد الاقام عنه بزیادة او نقصان زیادة فی هدی او نقصان من عمی واعلموا انه لیس علی احد بعد القرآن من فاقة ولا لاحد قبل القرآن من غنی فاستشفوہ من ادوائکم واستعینوا به علی لاوائکم فان فیه شفاءً من اکبر الداء وهو الکفر والنفاق والغی والضلال فاسألوا الله به وتوجهوا الیه بحبه ولا تسألوا به خلقه انه ما توجه العباد الی الله بمثله واعلموا انه شافع ومشفع وقائل ومصدق وانه من شفع له القرآن یوم القیامة شفع فیه ومن محل به القرآن یوم القیامة صدق علیه فانه ینادی مناد یوم القیامة الا ان کل حارث مبتلی فی حرثه وعاقبة عمله غیر حرثة القرآن فکونوا من حرثته واتباعه واستدلوه علی ربکم واستنصحوه علی انفسکم واتهموا علیه آراءکم واستغشوا فیه اهواءکم۔

یقین جانو کہ یہ قرآن وہ ناصح ہے جو دھوکا نہ دے اور وہ راہنما ہے جو کبھی گمراہ نہ کرے اور وہ بات کرنے والا ہے جو کبھی جھوٹ نہ بولے، کوئی اس قرآن کا ہمدم نہیں بنا۔ مگر یہ کہ اس میں زیادتی پیدا ہوئی یا کمی، زیادتی ہدایت میں اور کمی ضلالت میں اور یقین جانو کہ قرآن کے ساتھ کسی کو احتیاج باقی نہیں

رہ سکتی اور قرآن کے بغیر استغنا ناممکن۔ اس کو تم اپنے امراض کے لئے
ذریعۂ شفا اور اپنی مصیبت کے وقت پر مددگار قرار دو اس لئے کہ اس مین
سب سے بڑے مرض کی شفا موجود ہے جس کا نام ہے کفر اور نفاق اور کور باطنی
وگمراہی، خدا سے اس قرآن کے ذریعہ سے سوال کرو اور اسی کی محبت کے ساتھ
اس کے بارگاہ کی طرف رخ کرو۔ لیکن اس قرآن کو مخلوق کے پاس رشوت
ستانی کا ذریعہ نہ بناؤ۔ بے شک خدا کی بارگاہ مین اس سے بڑھ کر کوئی وسیلہ
نہین۔ یقین جانو کہ یہ قرآن شفاعت کرنے والا اور اس کی شفاعت قبول کی
جانے والی ہے جس کی سفارش روز قیامت قرآن کر دے گا۔ اسکے متعلق سفارش
منظور ہوگی اور جس کی شکایت روز قیامت قرآن کر دے گا۔ تو اسکے خلاف
اسکی شکایت مسموع ہوگی۔ روز قیامت آواز دی جائے گی کہ ہر کاشتکار
آج اپنی کاشت کے حساب مین مبتلا ہوگا سوا اس شخص کے جس نے کشت قرآن
کو سرسبز کیا ہو۔ پھر کیون نہ تم سب لوگ کشت قرآن کے کارندے اور اتباع
ہو جاؤ اور اس قرآن کو اپنے رب کی جانب اپنا رہنما قرار دو اور اپنے نفسون
کے خلاف اسکی نصیحتون کو قبول کرو اور اسکے مطالب مین خود اپنے ذاتی خیالات
پر بے اعتمادی کرو اور اپنے خواہشات نفس کو خود فریبی سمجھو۔

(۴) ص ۲۸۴

انه سیاتی علیکم من بعدی زمان لیس فیه شیئ اخفی من الحق

ولا اظهر من الباطل ولا اكثر من الكذب على الله ورسوله وليس عند اهل ذلك الزمان سلعة ابور من الكتاب اذا تلي حق تلاوته ولا انفق منه اذا حرف عن مواضعه ولا في البلاد شيء انكر من المعروف ولا اعرف من المنكر فقد نبذ الكتاب حملته وتناساه حفظته فالكتاب يومئذ واهله طريدان منفيان وصاحبان مصطحبان في طريق واحد لا يؤويهما مؤو فالكتاب واهله في ذلك الزمان في الناس وليسا فيهم ومعهم لان الضلالة لا توافق الهدى وان اجتمعا فاجتمع القوم على الفرقة وافترقوا من الجماعة كانهم ائمة الكتاب وليس الكتاب امامهم فلم يبق عندهم منه الا اسمه ولا يعرفون الا خطه وزبره -

"یقیناً میرے بعد ایک زمانہ آنے والا ہے جس مین کوئی شے حق سے زیادہ مخفی اور باطل سے زیادہ ظاہر نہوگی، اُس زمانہ والون کے نزدیک قرآن سے زیادہ کوئی چیز بے قیمت نہ ہوگی جب اُسکو حق تلاوت ادا کرتے ہوئے پڑھا جائے (یعنی اُسکے صحیح معانی کے ساتھ اُسکے آیات کو پیش کیا جائے)

اور اُسی قرآن سے زیادہ کوئی شے رائج نہوگی جبکہ اُسکو اُسکے مقامات سے ہٹا دیا جائے (یعنے اُسکے معانی مین تراش خراش کرکے اصلی مقاصد سے دور کردیا جائے) کوئی شے عالم مین معروف سے زیادہ منکر اور منکر سے زیادہ معروف نہوگی قرآن کو اُسکے حاملین نے پس پشت ڈالدیا ہوگا اور اُسکی حفظ کے دعویدار افراد نے

اُس کو بھلا دیا ہوگا۔ اُس دن قرآن اور حقیقی اہل قرآن شہر بدر اور جلاوطن ہونگے وہ دونوں ایک دوسرے کے ہم نفس اور ہمدم ہونگے کہ اُن دونوں کو کوئی پناہ دینے والا نہ ملتا ہوگا۔ قرآن اور اہل قرآن اُسوقت لوگوں کے اندر ہونگے لیکن گویا وہ اُنکے اندر نہ اور اُنکے ساتھ نہیں ہیں اس لئے کہ ضلالت ہدایت کے موافق نہیں ہو سکتی اگرچہ ایک جگہ پر ہو۔ وہ لوگ افتراق پر مجتمع اور نقطۂ اجتماع سے متفرق ہونگے۔ گویا وہ خود قرآن کے رہنما ہیں (کہ جدھر چاہیں اُس کو پھیر لیں) نہ یہ کہ قرآن اُنکا راہنما ہے۔ اُنکے پاس قرآن کا صرف نام باقی ہوگا اور وہ بس اُسکے خط اور حروف کو پہچانتے ہونگے"

اس قسم کے واقعات کا اظہار درحقیقت تحذیر وتخویف کے طور پر کیا جاتا تھا اور غرض یہ تھی کہ لوگ اپنے طرز عمل کی نگرانی کرتے ہوئے اُسکو ایسے نتائج تک پہونچنے سے روکتے رہیں۔

اس سے یقینا قرآن مجید پر عمل اور اُس کے اتباع کی اہمیت اور اُس کے صحیح معانی کے فہم میں تدبر کی ضرورت کا اندازہ ہوتا ہے اور اس فقرہ سے کہ کتاب واہل کتاب اُسوقت لوگوں کے ساتھ ہونگے مگر نہیں اس لئے کہ حق وضلال ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے" قرآن مجید کی حقانیت وصداقت پر نیز روشنی پڑتی ہے آخری فقرہ کہ لایعرفون الاخطہ وزبرہ اس امر کی صریحی دلیل ہے کہ تحریف سے مراد معنوی تراش وخراش ہے ورنہ الفاظ قرآن محفوظ ہونگے،

احادیث کی صحت کا معیار قرآن ہے

ایسی احادیث جوامع حدیث میں اس کثرت سے ہیں کہ جس میں تواتر کا ادعا کیا جا سکتا ہے، جنکا مفاد یہ ہے کہ احادیث کی صحت و عدم صحت کا معیار قرآن مجید ہے۔ انمیں سے پانچ حدیثیں تو اصول کافی ہی میں مذکور ہیں۔

(۱) علی بن ابراھیم عن ابیہ عن النوفلی عن السکونی عن ابی عبداللہ ع قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم انّ علی کل حق حقیقۃ و علی کل صواب نورا فما وافق کتاب اللہ فخذوہ وما خالف کتاب اللہ فدعوہ

"امام جعفر صادق ع فرماتے ہیں کہ حضرت رسول ص نے ارشاد کیا ہر حق کے لئے حقیقت نما علامات ہیں اور ہر واقعیت کے لئے روشنی ہے تو جو چیز کتاب خدا کے موافق ہو اُس کو لے لو اور جو چیز کتاب خدا کے خلاف ہو اُس کو ترک کر دو

(۲) محمد بن یحیی عن عبد اللہ بن محمد عن علی بن الحکم عن ابان بن عثمان عن عبداللہ بن ابی یعفور قال وحدثنی حسین بن ابی العلا انہ حضر ابن ابی یعفور فی ھذا المجلس قال سألت اباعبداللہ ع عن اختلاف الحدیث یرویہ من نثق بہ ومن لانثق بہ قال اذا ورد علیکم حدیث فوجدتم لہ شاھدا من کتاب اللہ عزوجل او من قول رسول اللہ ص والا فالذی جاءکم اولی بہ

"امام جعفر صادق ؑ سے دریافت کیا گیا کہ ہمارے سامنے مختلف احادیث آتی ہیں جن میں سے بعض کے راوی موثق اور بعض کے غیر موثق ہیں اور پھر اُنکے مفاد میں اختلاف ہے (ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیئے) حضرت نے فرمایا جب تمھارے سامنے کوئی حدیث پیش ہو اور اُس کا کوئی شاہد کتاب خدا یا سنت رسولؐ سے موجود ہو تو اُس پر عمل کرو۔ ورنہ جو شخص اُس روایت کو نقل کر رہا ہے وہی اُس پر عمل کا زیادہ مستحق ہے۔

(۳) عدۃ من اصحابنا عن احمد بن محمد بن خالد عن ابیہ عن النضر بن سوید عن یحییٰ الحلبی عن ایوب بن الحر قال سمعت اباعبداللہؑ یقول کل شیئی مردود الی الکتاب والسنۃ و کل حدیث لایوافق کتاب اللہ فھو زخرف۔

"امام جعفر صادق ؑ کا ارشاد ہے کہ ہر شئے کتاب وسنت کی جانب راجع ہونا ضروری ہے اور جو حدیث کتاب خدا کے موافق نہو وہ بناوٹی ہے۔

(۴) محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد بن عیسیٰ عن ابن فضال عن علی بن عقبۃ عن ایوب راشد عن ابی عبداللہؑ قال ما لم یوافق من الحدیث القرآن فھو زخرف۔

"جو حدیث قرآن کے ساتھ مطابقت نہ رکھتی ہو وہ بناوٹی ہے۔

(۵) محمد بن اسمٰعیل عن الفضل بن شاذان عن ابن ابی عمیر

عن هشام بن الحکم وغیرہ عن ابی عبد اللہؑ قال خطب النبیؐ بمنی فقال ایھا الناس ما جاءکم یوافق کتاب اللہ فانا قلتہ وما جاءکم یخالف کتاب اللہ فلم اقلہ۔

"امام جعفر صادقؑ فرماتے ہین کہ رسالت مآبؐ نے منی مین خطبہ ارشاد کیا اور اُس مین فرمایا کہ جو حدیث تمھارے سامنے ایسی پیش ہو کہ وہ کتاب خدا کے ساتھ موافق ہے تو وہ میرا قول ہوگا اور جو حدیث ایسی آئے کہ وہ کتاب خدا کے مخالف ہے اُس کو سمجھنا کہ مین نے نہین کہا ہے۔"

دوسرے کتب اخبار مین ایسی ہی حدیثین اس سے زیادہ موجود ہین اور باوجود اختلاف مفاد کے ان سب کا متفقہ مضمون یہ ہے کہ قرآن احادیث کی جانچ کا معیار ہے، اب اگر یہ قرآن کہ جو مسلمانون کے ہاتھ مین موجود ہے..................

...ائمہ معصومین علیہم السّلام کے نزدیک مصدق اور تسلیم شدہ نہوتا تو اُس کو احادیث کی صحت و عدم صحت کا معیار قرار دینا صحیح نہ تھا۔ انھین سے وہ احادیث کہ جو جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہین اُنکو بھی چونکہ ائمہ اہلبیت علیہم السّلام نے معیار بتلاتے ہوئے نقل کیا ہے اسلیئے اُنکی تطبیق بھی اسی قرآن پر ہے کہ جو عام ہاتھون مین موجود ہے۔

قرآن کی مخالفت کفر ہے

محمد بن اسمعیل عن الفضل بن شاذان عن ابن ابی عمیر عن بعض اصحابہ قال سمعت اباعبد اللہ علیہ السلام یقول من خالف کتاب اللہ و سنۃ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فقد کفر۔

"امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص کتاب الٰہی اور سنت رسالت مآبؐ کی مخالفت کرے وہ کافر ہے۔

قرآن نشان ہدایت ہے

(۱) محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد عن محمد بن احمد بن یحییٰ عن طلحۃ بن زید عن ابی عبد اللہؑ قال ان ھذا القرآن فیہ منار الھدیٰ ومصابیح الدجیٰ فلیجل جال بصرہ ولیفتح للضیآء نظرہ فان التفکر حیوۃ قلب البصیر کما یمشی المستنیر فی الظلمات بالنور

"امام جعفر صادقؑ نے فرمایا یقیناً یہ قرآن اس میں نشان ہیں ہدایت کے اور چراغ ہیں تاریکی ضلالت کے لئے جس کو منظور ہو وہ اس سے اپنی بصیرت کو جلا دے اور اسکی روشنی کے لئے آنکھ کھول کر دیکھے کیونکہ غور و فکر کرنا

انسان بابصیرت کے دل کے لئے سبب زندگی ہے جس طرح چراغ کی روشنی
سے انسان تاریکی میں راستہ قطع کرلیتا ہے۔

(۲) علی بن ابراھیم عن محمد بن عیسیٰ عن یونس عن ابی جمیلۃ قال
قال ابوعبد اللہؑ کان فی وصیۃ امیرالمومنین ع اصحابہ اعلموا
انّ القرآن ھدی النھار و نور اللیل المظلم علی ما کان من جھد وفاقۃ

"امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ امیرالمومنین علیہ السلام اپنی
وصیت میں اصحاب سے فرمایا کرتے تھے یقین جانو کہ یہ قرآن دن کو راہنما
اور شب تاریک کی روشنی ہے جو سخت ترین ضرورت کے موقع پر کارآمد ہے

قرآن جنت کا راہنما اور جہنم سے سدِّ راہ ہے

حمید بن زیاد عن الحسن بن محمد عن وھیب بن حفص عن ابی
بصیر قال سمعت اباعبد اللہؑ یقول ان القرآن زاجر و آمر یأمر
بالجنۃ ویزجر عن النار

امام جعفر صادق ع فرماتے ہیں کہ قرآن روکنے والا اور حکم دینے والا ہے،
حکم دیتا ہے جنت کی طرف جانے کا اور روکتا ہے آتش جہنم میں جانے سے

اسکے علاوہ تلاوت قرآن کے فضائل، حامل قرآن کا درجہ، حفظ
قرآن کا ثواب، تعلیم قرآن کی اہمیت، تدبر فی القرآن کا حکم یہ وہ ابواب ہیں

بعض احادیث حد تواتر تک پہونچے ہوئے ہیں اور اصول کافی کا آخری حصہ اُن احادیث سے مملو ہے۔

پھر وہ مقامات جہاں ائمہ معصومین علیہم السلام نے احکام شرعیہ کے لئے آیات قرآن سے تمسک کرکے علمائے مذہب کو ظواہر قرآن سے استفادۂ احکام کا سبق دیا ہے مثلاً عبدالاعلےٰ مولیٰ آل سام کے سوال پر کہ اگر انگلی میں زخم ہو اور اُس کو کھول نہ سکتا ہو تو کیا کرے حضرت نے جبیرہ کا حکم دیا اور فرمایا کہ ھذا و امثالہ یعرف من کتاب اللہ تعالیٰ ماجعل علیکم فی الدین من حرج۔

"یہ اور اس کے ایسے دوسری جو صورتیں ہوں انکا حکم تو اس آیت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ خداوند عالم نے تمھارے لئے دین میں عسر و حرج نہیں قرار دیا ہے"

یا زرارہ کے سوال پر کہ کہاں سے ثابت ہوا مسح سر کے بعض حصہ پر ہے حضرت نے فرمایا لمکان الباء فی قولہ تعالیٰ وامسحوا برؤسکم "اس لئے کہ خداوند عالم نے وامسحوا برؤسکم فرمایا ہے یہ نہیں کہا کہ امسحوا رؤسکم"

ان تمام احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے موجودہ قرآن کو تسلیم کر لیا تھا اور وہ اسکو کتاب الٰہی اور واجب العمل

قرار دیتے تھے۔

اور پھر اواسط زمانۂ بنی عباس میں خصوصًا امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام رضا علیہ السلام کے عہد میں تقیہ کا شکنجہ ایسا نہ تھا جو ائمہ معصومین علیہم السلام کی زبان کو اظہار حقائق سے بالکل روکے رہتا۔ لیکن کسی ایک حدیث سے بھی اس کا پتہ نہیں دیا جا سکتا کہ امام نے کبھی کسی صحابی کو اس قرآن پر عمل کرنے سے اور اس سے احکام کا استفادہ کرنے سے منع کیا ہو یا نماز وغیر نماز میں اس قرآن کے علاوہ کسی قرآن کے تلاوت کی ہدایت کی ہو۔

امام ابوحنیفہ و قتادہ وغیرہ دیگر علمائے وقت کو پوری آزادی کے ساتھ امام نے اپنے رائے پر عمل کرنے اور اپنے اجتہاد کے مطابق فتوے دینے سے منع کیا ہے لیکن اسکی وجہ یہی بتلائی گئی کہ تم محکم و متشابہ ناسخ و منسوخ تنزیل و تاویل کا علم نہیں رکھتے اور قرآن کے مطالب کو وہی سمجھ سکتا ہے جس نے سینہ بسینہ اس کے معانی و مطالب کو حاصل کیا ہو لیکن کبھی یہ نہیں کہا گیا کہ یہ قرآن محرف ہے اسلئے اس سے استفادۂ احکام جائز نہیں ہے

کیا ان تمام تصریحات اور ادلہ و شواہد کے بعد بھی یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے کہ ائمۂ شیعہ سے اس قرآن کے متعلق کوئی تصدیق بھی صادر نہیں ہوئی ہے جو اس کے کتاب الٰہی ہونے کی دلیل ہو؟

ائمہ علیہم السلام کے بعد اور زمانہ غیبت مین فقہائے مذہب اور علمائے ملت نے بھی ہر زمانہ اور عصر مین اپنے قول وعمل سے موجودہ قرآن کی مذہبی اہمیت کو محفوظ رکھا۔

دیکھو فقہا کی کتابین خط مصحف کو بغیر طہارت چھونا جائز نہین، سجدہ والے سورون کا جنب وغیرہ کے لئے پڑھنا حرام۔ عام سورۂ قرآن کی آیتون کا پڑھنا اُنکے لئے مکروہ، کافر کی ملکیت قرآن کے لئے ناجائز۔ اگر وہ خریدلے تو مجبور کرنا اُسکو فروخت پر لازم۔ موجودہ قرآن کے علاوہ کسی جزو کو بحیثیت قرآن نماز مین پڑھنا حرام۔ نجاست کا پہونچانا قرآن تک گناہ کبیرہ احادیث مین سے جو قرآن کے بالکل خلاف ہو وہ مسترد۔ تعارض اخبار کے وقت کسی عموم واطلاق قرآن کے موافق ہونا وجہ ترجیح اور احکام شرعیہ کے ادلۂ اربعہ مین سے قرآن کا پہلا درجہ

اسکے بعد بھی کیا انکا ایمان بالقرآن کسی دلیل وبرہان کا محتاج ہی؟

تمام بحث کا آخری نتیجہ

یا

میرا عقیدہ

موجودہ قرآن کلام الٰہی وحی آسمانی،

رسولؐ کا اعجاز اور مسلمانون کے لئے واجب العمل

ہے۔ اُس کے کسی جزو یا کل کے مفاد کی مخالفت

مخالفت خدا ہے اور اُس کا اتباع ہر مسلمان کا

رکن مذہب ور اہم ترین فریضہ ہے۔ موجودہ

قرآن کے علاوہ کسی سورہ کسی آیت کسی

حرف کا بھی جزو قرآن ہونا ثابت نہین ہے

اور نہ اُس پر احکام قرآن مرتب ہو سکتے ہین۔

واللہ یحق الحق بکلماتہ

علی نقی النقوی عفی عنہ

لکھنؤ

جمادی الاولی ۱۳۵۱ھ

... JUNG ESTATE LIBRARY
(Oriental Section)
URDU PRINTED BOOKS
Accession No....79A
0..........

حجج و بینات

اپنی نوعیت کی پہلی کتاب جو عالم اسلام میں ظاہر ہوئی ہے۔ سالگذشتہ
عراق میں مشاہد مشرفہ ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم سے جو حیرت انگیز مظاہر
قدرت یعنی معجزات ظاہر ہوئے اُنکے مستند تفصیلی واقعات ذاتی تحقیقات
اور مستند ذرائع سے تصدیق شدہ معلومات حاصل کر کے مرتب کر کے شائع
کر دیے گئے ہیں جو ارباب ایمان کے لئے بصیرت افروز۔ اور تمام مذاہب
و اقوام کے مقابل میں صداقت و حقانیت کی دلیل ہیں۔ یہ کتاب بھی حضرت
سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد العصر دام ظلہ کا نتیجۂ قلم
اور اُنھی کی ذاتی تحقیقات اور کاوش کا نتیجہ ہے جو کتاب کی ادبی منزلت اور
استناد و اعتبار کی حیثیت کے لئے بہترین ضمانت ہے۔ ۲۰×۲۶ کی تقطیع پر اعلیٰ
کاغذ و طباعت کے ساتھ طیار ہے اور اس میں متعدد شفا یافتہ افراد کے فوٹو بھی شامل ہیں
جو کتاب کی دیدہ زیبی اور نیز اُسکے اعتبار و استناد میں اضافہ کا باعث ہوئے ہیں
قیمت علاوہ محصول ڈاک عمر

ملنے کا پتہ

سید ابن حسین آنریری سکریٹری امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ

یا قومنا اجیبوا داعی اللہ

اے قوم جواب دے خدا کی طرف بکارنے والے کا

برادران ایمانی۔ سلام علیکم۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ دو ہی ماہ کے اندر اس نے ہمکو اس قابل کردیا کہ ہم نہ صرف یہ دوسرا رسالہ شائع کر سکے بلکہ یہ رسالہ "قاتلان حسینؑ کا مذہب" کا دوسرا ایڈیشن بھی اسی کیساتھ شائع کر رہے ہیں یہ سب کچھ پروردگار عالم کی نصرت کے بعد آپ ہی حضرات کی توجہ کا نتیجہ ہے۔ مگر ابھی اس سلسلہ میں بہت کچھ کرنا ہے جسکے لئے ضرورت ہے کہ ہر ہر مقام کے مومنین "رفیق کار" بنیں جنکے متعلق یہ خدمت ہوگی کہ وہ رسائل کی فروخت اور دیگر ذرائع سے اس دینی مشن کی کامیابی کے لئے کوشش فرمادیں۔

اگر آپ حضرات نے "رفیق کار" کی تجویز کو عملی جامہ پہنا دیا تو آپ دیکھیں گے کہ ایک ہی سال کے اندر یہ تبلیغی سلسلہ کس طرح مستحکم سے مستحکم تر ہو جاتا ہے۔

ہمکو قوی امید ہے کہ اس تجویز پر تمام مومنین جلد از جلد توجہ فرما کر ہماری ہمت افزائی فرمادیں گے اور عند اللہ و عند الرسولؐ ماجور ہوں گے۔

خادم ملت

سید ابن حسین۔ عفی عنہ

جنرل سکریٹری۔ امامیہ مشن

حسین آباد۔ لکھنؤ